پاکستان میں مسئلہ فلسطین و کشمیر کے حوالے سے

منظوم اردو ادب کا جائزہ

الطاف حسین لنگڑیال ☆

Abstract:

The topic "A review of Urdu resistant Poetry on Palestine and Kashmir issues in Pakistan" is consisting on basically two chapters. First is Urdu resistant poetry on Palestine issue and second is Urdu resistant poetry on Kashmir issue. In the first chapter the selected poetry of Pakistani poets on the Palestine issue is presented and discussed its literary and influential importance. Then next chapter have two sub chapters first is comprised upon the books of the poetry on the Kashmir issue and second is resistant poetry in the form of patriotic poems and anthems of different poets on the same topic. In the last of this article, there is also discussion on the effects of resistant poetry on Pakistani society.

اقوام عالم کے عروج و زوال کے فلسفے کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اقوام کی نشاۃ ثانیہ میں ان کے ادب بالخصوص مزاحمتی ادب کا حصہ بہت اہم ہوتا ہے ۔جیسے یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں دانتے (DANTE) اور دیگر شعراء کی مزاحمتی شاعری نے نمایاں کردار ادا کیا۔ عالم اسلام کے مقبوضات اور دیگر سلگتے ہوئے مسائل کے حوالے سے مسلمان دانشوروں، شعراء اور ادباء نے مزاحمتی ادب کی تخلیق میں کسی کنجوسی سے کام نہیں لیا، جو بالآخر ملتِ اسلامیہ کی نشاۃ الثانیہ کا باعث ہوگا، ان شاء اللہ۔

☆ اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

اردو ادب میں جہاں دنیا کی تمام اصنافِ سخن کا وافر ذخیرہ موجود ہے، وہاں اس کا دامن مقامی منفرد اصنافِ ادب سے بھی بھرپور ہے۔ اردو ادیب ایک طرف جہاں عالمی حالات سے متاثر ہوتے ہیں اور ان کے حوالے سے اپنے احساسات کو پیرہن اظہار کرتے ہیں تو وہیں وہ عالم اسلام ۔۔۔جس سے وہ اسلامی اخوت کے ناطے جڑے اور بندھے ہوئے ہیں۔۔۔ کے مسائل و حالات سے روحانی و جسمانی طور پر نہ صرف متاثر ہوتے ہیں بلکہ اس پر اپنے بھرپور ردِ عمل کا اظہار بھی کرتے چلے آئے ہیں۔ یوں اردو ادب میں نظم و نثر دونوں صورتوں میں ایک گرانقدر ذخیرہ مزاحمتی ادب کی صورت میں بہم جمع ہوگیا ہے اور آئے روز اس میں اضافہ ہورہا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں پاکستان کے اندر، اردو زبان میں منظوم مزاحمتی ادب کا ایک جائزہ پیش کیا جائے گا ،جس سے ایک طرف پاکستانی شعراء کے احساسات کی ترجمانی ہوگی تو دوسری طرف عالم اسلام کے مسائل پر ملکی وغیر ملکی رائے عامہ کی ہمواری اور ان مسائل کے حل میں معاونت ہوگی۔ نیز پاکستانی معاشرے پر منظوم مزاحمتی ادب کے اثرات سے آگاہی بھی حاصل ہوگی۔

فصلِ اول: مسئلہ فلسطین پر منظوم اردو مزاحمتی ادب

سامراجی قوتوں نے جب سے ارضِ مقدس اور قبلۂ اول کو مسلمانوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہود کے پنجۂ صیہونیت کے ہاتھوں برباد کرنے کی سازش کی اور پھر اس پر غارت گری کرکے اس کو تاراج کرنا شروع کیا ہے اُسی روز سے نہ مسلمان مجاہدین کو چین آیا ہے اور نہ ہی مسلمان دانشور اپنے احساسات کے اظہار سے باز آئے ہیں۔ اگرچہ مقتدر مسلمان تو تزویری مجبوریوں کے اسیر رہے تاہم مسلمان مجاہد اپنی جان کو ہتھیلیوں پر رکھے بے سروسامانی کے باوجود غلیلوں سے لڑ رہے ہیں اور قلم کے دھنی بھی کسی ملالت کی پرواہ کیے بغیر اپنے محاذ پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ پاکستانی ادباء نے مسئلہ فلسطین کے حوالے سے اردو زبان میں اپنا حصہ وافر ڈالا ہے۔ زیرِ نظر فصل میں پاکستانی شعراء کے فلسطین کے حوالے سے اردو کلام کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

سرزمینِ فلسطین اور قبلۂ اول سے مسلمانانِ پاک و ہند کی جذباتی وابستگی شعائرِ اسلام سے محبت کا ثبوت ہے۔ چنانچہ اس مٹی کے شعراء نے ہمیشہ اس تعلق کا اظہار کیا ہے اور ارض مقدس کے درد کو اپنے دلوں کی گہرائیوں میں محسوس کیا ہے۔ یورپ کی ارضِ فسطین کو پنجۂ یہود میں دینے کی سازش کا شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ نے ''دامِ تہذیب'' کے عنوان سے اپنی نظم میں یوں پردہ چاک کیا۔

اقبال کو شک اس کی شرافت میں نہیں ہے
ہر ملتِ مظلوم کا یورپ ہے خریدار

جلتا ہے مگر شام و فلسطیں پہ مرا دل
تدبیر سے کھلتا نہیں عقدۂ دشوار (۱)

اقبال ایک طرف جہاں اہلِ مشرق کو جمعیتِ اقوام مشرق بنانے کا مشورہ دیتے ہیں، جس کا مرکز طہران ہو تو دوسری طرف وہ اس وقت کی جمعیتِ اقوام جو یورپ کی اقوام کے مفادات کی نگہبان تھی، سے سخت مایوس تھے۔ اسی لیے وہ اقوام مغرب کی اس منطق پر کہ ''ارضِ فلسطین پر یہودیوں کا حق ہے'' کا جواب اس سوال میں دیتے ہیں اور ان کے دوہرے معیارات پر گہری چوٹ کرتے ہیں۔

ہے خاکِ فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہلِ عرب کا
مقصد ہے ملوکیت انگلیس کا کچھ اور
قصہ نہیں نارنج کا یا شہد و رطب کا (۲)

چنانچہ اقبالؒ امت مسلمہ کو یہ سبق پڑھاتے ہیں کہ ان اقوام کی ڈور دراصل یہودیوں کے ہاتھ میں ہے لہٰذا ان سے کسی انصاف اور دادرسی کی توقع رکھنا عبث ہے۔ وہ فلسطینی عرب سے فرماتے ہیں

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے
تری دوا نہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں
فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے (۳)

جس صورتحال کی طرف حکیم الامت نے اشارہ کیا تھا آج بھی قائم ہے۔ آج اقوامِ متحدہ کا ادارہ وہی کردار ادا کر رہا ہے جو اقبال کے زمانے میں جمعیت اقوامِ عالم نے ادا کیا۔ بہر طور عہدِ حاضر کے پاکستانی شعراء نے اردو زبان میں قضیۂ فلسطین کو اپنی نظموں اور ترانوں کا موضوع بنایا ہے جس کا ایک جائزہ درجِ ذیل ہے۔

ا۔ فیض احمد فیض:

عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کی شکستِ ذلت آمیز اور جمال عبد الناصر کے ہاتھوں شہنشاہیت کے خاتمے کے بعد اس کی قیادت میں عرب دنیا میں تبدیلی کے نعروں کی گونج سنائی دینے لگی۔ اس ساری صورتحال میں

پاکستان کے ترقی پسند ادیبوں نے اپنے احساسات کے اظہار میں وافر حصہ ڈالا۔ ترقی پسند ادباء کے سرخیل جناب فیض احمد فیض نے بھی اس دور میں مشرق وسطیٰ کی صورتحال پر کئی نظمیں کہیں۔ ''سرِ وادی سینا'' میں فیض ۱۹۷۶ء میں مذکورہ صورتحال پر کہتے ہیں۔

پڑیں گے دارورسن کے لالے، کوئی نہ ہوگا کہ جو بچالے
جزا سزا سب یہیں پہ ہوگی یہیں عذاب و ثواب ہوگا
یہیں سے اٹھے گا شورِ محشر، یہیں پہ روزِ حساب ہوگا (۴)

فلسطین شہداء جو پردیس میں کام آئے اور فلسطینی بچے کی لوری کے عنوان سے فیض احمد فیض نے بیروت میں ۱۹۸۰ء میں فلسطین کیلئے دو نظمیں کہیں۔ پہلی نظم کے دو اشعار ملاحظہ ہوں'

جس زمیں پر بھی کھلا میرے لہو کا پرچم
لہلہاتا ہے وہاں ارضِ فلسطیں کا علم
تیرے اعداء نے کیا ایک فلسطیں برباد
میرے زخموں نے کیے کتنے فلسطیں آباد (۵)

کربلائے لبنان میں ''بیروت نگارِ بزمِ جہاں'' کی بربادی کے بعد آبادی کا تذکرہ ہے تو ''لاخوف علیھم'' کے عنوان سے ترانے میں فلسطینی مجاہدوں کو یوں جذبۂ پامردی عطا کرتے ہیں'

ہم جیتیں گے حقا ہم اک دن جیتیں گے
بالآخر اک دن جیتیں گے ہم جیتیں گے
قَدْ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِل
فرمودۂ رب اکبر ہے
جنت ہے اپنے پاؤں تلے اور سایۂ رحمت سر پر ہے
پھر کیا ڈر ہے ہم جیتیں گے (۶)

۲۔ احمد ندیم قاسمی:

عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل کے ہاتھوں مصر کی شکست اور مصری دوستوں کی بے حسی پر احمد ندیم قاسمی ''روشنی کی تلاش'' میں شکوہ کرتے ہیں۔ وہ آزادی فلسطین کے مجاہدین کے قتل عام پر ''اُردن''

میں اپنوں کے ہاتھوں اپنوں کے خون پر خون کے آنسو روتے ہیں۔ تاہم وہ پہلی نظم میں پر امید بھی ہیں۔

ے یہ ہے وہ سمت کہ جس پر مرے ٹیپو کے نقوشِ کفِ پا
چاند ستاروں کی طرح روشن ہیں
اور اس سمت سفر کرنے کی شرط ہے
ہم ظلمتِ مغرب کو بتا دیں
کہ ہمیں صبح کے وارث ہیں
کہ ہم مشرق ہیں (۷)

ابن انشاء:

ابن انشاء نے ''دیوارِ گریہ'' کے عنوان سے ۱۹۶۷ء میں ایک طویل نظم کہی اور مسلم امہ کی بے امانی پر گریہ کناں ہوا۔ شاعر نے یہودیوں کی مقہور و مغضوب اور آوارہ و بے وطن قوم کا یکجا ہو کر قوم مسلم کو تاراج کرنا بڑے دوردناک انداز میں نظم کیا اور ایک عرب کو مخاطب کر کے غیرت دلائی کہ تمہارے اجداد نے شرق سے غرب تک شہسواری کی اور آج تم اس حال میں ہو۔ نظم کے تیسرے حصے میں شاعر یوں رقمطراز ہے'

ے آج سینائی کی مسجدیں بے اذاں
آج سینائی میں عیدِ صیہونیاں
جورِ دجال ہے شورِ فریاد ہے
یہ قیامت ہے یا محض افتاد ہے؟ (۸)

اس نظم کے چوتھے حصے میں تو شاعر بیت المقدس پر ہر طرف اسرائیلی پرچم کے لہرانے اور مسلمانوں پر اس کے دروازے بند ہونے اور اسکی دگرگوں صورتحال پر خود بھی تڑپا ہے اور قاری کو بھی تڑپایا ہے'

ے دیکھ بیت المقدس کی پرچھائیاں
اجنبی ہو گئیں جس کی پہنائیاں
ہر طرف پرچم نجم داؤد ہے
راہ صحرہ کے گنبد کی مسدود ہے
سجدہ گاہ عمرؓ، مسجد پاک میں
آج خالی مصلّے، اٹے خاک میں (۹)

شہزاد احمد: نکھرے لہجے کے شاعر شہزاد احمد دنیائے ادب میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ انہوں نے اردو غزل کو ایک منفرد آہنگ سے آشنا کر کے اس روایت کو توانائی بخشی۔ مسجد اقصیٰ کی آتش زدگی اور فلسطین کی صورتحال پر اپنی نظم ''حسین علیہ السلام کا سبق'' میں کہتے ہیں،

ے
آگ کی سُن کر خبر سینے ہمارے ہوئے شق
ہم کو تو مسجد اقصیٰ بھی ہے قرآں کا ورق
کاٹ دو۔ قبلۂ اول پہ جو ہاتھ اُٹھے ہیں
ہے اگر دل میں تمہارے ابھی ایماں کی رمق
سرَ کٹا دنیا جھکانے سے کہیں بہتر ہے
ہے ابھی یاد حسین ابن علی کا یہ سبق (۱۰)

۳۔ پروفیسر عنایت علی خاں:

معروف مزاح نگار شاعر وادیب پروفیسر عنایت علی خان جو کہ نعیم صدیقی کے ہمدمِ دیرینہ ہیں، نے امتِ مسلمہ کے مصائب پر قریب قریب نعیم صدیقی ہی کا اسلوب اپنے انداز میں اپنایا ہے۔ اپنی ایک نظم ''سبب زوالِ امت'' میں مسائل امہ کو ایک ایک کر کے ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں قومِ مسلم جو افلاک کے ستاروں کی سوار تھی اور مشرق ومغرب میں جس کی دھاک جمی تھی، آج اس کی نہ کوئی وقعت ہے اور نہ وزن اور وہ سیلِ حوادث کے آگے مثل خس وخاشاک بہی جا رہی ہے۔ کہتے ہیں'

ے
کشمیری وافغاں ہوں کہ ہوں اہل فلسطین
ہر اک کے تصور سے مری آنکھ ہے نمناک

اور آگے چل کر رحمتِ یزداں کی نگاہوں کے پھر جانے، ذلت ورسوائی اور ان تمام بربادیوں کی وجہ یوں بیان کرتے ہیں'

ے
مسلم کہ تمکّن تھا تیرا حفظِ حرم سے
دل قبلۂ نما تھا تو رہا صاحبِ لولاک
اس اپنے فریضے سے جو سرتاب ہوا تو
باقی نہیں اب تیری ضرورت تہہِ افلاک (۱۱)

منظور احمد ڈیسوی:

منظور ڈیسوی کی کتاب ''انقلاب انقلاب'' کا عنوان ان کی ایک نہایت پرُ جوش نظم سے ماخوذ ہے۔ اس نظم کے چند اشعار ذیل میں پیش ہیں۔ حالاتِ حاضرہ پر اپنے منظوم تبصرہ میں فرماتے ہیں۔

مسلم خوابیدہ اٹھ کب تک رہے گا مستِ خواب
عالمِ اسلام میں پھیلا ہے کیسا اضطراب!
اب نہیں باقی رہی پہلی سی تیری آب تاب
کب تلک برباد ہوگا اس طرح غفلت مآب
انقلاب اے مسلم محوِ تغافل انقلاب

آہ! وہ بیتِ المقدس انبیاء کی سرزمیں
آج مسلم ہیں جہاں مظلوم و بے بس بالیقیں
وہ زمیں وابستہ ہے معراج ختم الرسلیں
زندگی اور موت کا یہ مسئلہ کر انتخاب
انقلاب اے مسلم محوِ تغافل انقلاب

پنجۂ صیہونیت اور گنبدِ صخرہ کو دیکھ
ہے زبوں حالی کا منظر ملّتِ بیضا کو دیکھ
ہیں یہودی سازشیں اور مسجد اقصیٰ کو دیکھ
دیکھ اسرائیل پہ چھایا ہے شیطانی شباب
انقلاب اے مسلم محوِ تغافل انقلاب (۱۲)

منظور ڈیسوی ''چھوڑ دے تو سارے راگ ورنگ'' کے عنوان سے ایک ترانے میں امت مسلمہ کو جھنجھوڑتے ہیں اور خواب غفلت سے بیدار کرنے کی شعوری کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس غفلت نے مسلمانوں کو برباد کر دیا ہے۔ چنانچہ اس ہلاکت خیزی سے بچنے کیلئے جو امت مسلمہ کو درپیش ہے اُسے جاگنا چاہیے اور جدو جہد اور کوشش کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ ارضِ مقدس پر یہودی مظالم کی یوں تصویر کشی کرتے ہیں۔

ے ہیں ارضِ مقدس پر قابض پھر آج یہودی ظلم بپا
تو پردۂ غفلت اب تو اُٹھا ہنگامۂ عشرت ختم ہوا
دشمنِ ملت گھات میں ہیں کچھ ہوش میں آ اور جاگ ذرا
تاریخِ سلف تو دُہرا دے اور باطل سے اب جا ٹکرا
چھوڑ تو سارے راگ و رنگ بھڑک رہا ہے شعلۂ جنگ (۱۳)

۴۔ ماہر القادری:

ماہر القادری نے ''مشہد اکبر'' کے عنوان سے قبلۂ اول پر ایک نظم کہی جو چراغِ راہ اگست ۱۹۶۷ء میں چھپی۔ ملاحظہ ہو۔

ے یہ قبلۂ اول پہ عجب وقت پڑا ہے۔
تکبیر کے نغمے نہ مؤذن کی صدا ہے
سب عالم حیرت میں ہیکل ہو کہ صحرا
زیتون کی وادی ہے گنجِ شہداء ہے

اور مسلمانان فلسطین پر اُس وقت صیہونیوں کی غارت گری کی منظرکشی وہ کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ آج بھی یہ مناظر نظر آتے ہیں اور وہی ظلم کی داستان آج بھی دہرائی جارہی ہے اور لگتا ہے کہ ماہر القادری نے آج ہی یہ اشعار کہے ہوں:

ے ہیں سوگ میں ڈوبے ہوئے نابلس واریحا
القدس کے اطراف میں اک حشر بپا ہے
اردن ہے کہ ہے مشہدِ اکبر کا نمونہ
پانی کی طرح خون مسلماں کا بہا ہے

عرب نیشنلزم کے نعرے نے جہاں عرب مسلمانوں کو بربادی کے یہ دن دکھائے وہاں مصر کے جمال عبدالناصر اور ان کے حواریوں کی طرف سے ''نَحنُ اَوْلَادُ الْفَرَاعَنَه'' کے نعرے نے اسلام پر فخر ومباہات کی بجائے فرعونیت سے تعلق پر فخر نے بھی اس حالت کو پہنچانے میں اپنا کردار ادا کیا۔ شاعر اللہ کے قانون مکافات کا تذکرہ کر کے سارے قضیے کا فلسفہ بیان کرتا ہے۔

فرعون کی اولاد سے امید یہی تھی
ناصر کی قیادت سے نہ شکوہ نہ گلہ ہے۔
بے عیب ہے اللہ کا قانونِ مکافات
جو کچھ بھی ہوا اپنے گناہوں کی سزا ہے۔ (۱۴)

۵۔ سلیم ناز بریلوی:

کسی زمانے میں ریڈیو پر بچوں کا ایک گیت چلا کرتا تھا جو اپنی خوبصورت سہانی شاعری اور منظر کشی کے ساتھ ساتھ معصوم مگر مدھر آوازوں میں دل موہ لینے والی لے میں گایا گیا تھا۔ اس گیت کو چھوٹے بڑے سبھی پسند کرتے اور پھر سننے کی خواہش کرتے ۔ گیت تھا'

پورب کا دروازہ کھلا　ٹھنڈی ٹھنڈی چلی ہوا
جاگو جاگو صبح ہوئی

سلیم ناز بریلوی نے اسی گیت کی تضمین لکھی اور امت مسلمہ کے مقبوضات کی آزادی کی صبح کے طلوع ہونے کی نوید امت کو سناتے ہوئے اسے جاگنے کا پیغام دلفریب دیا۔ اس کو انہوں نے خود گایا بھی ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

خونِ شہیداں رنگ لایا　فتح کا پرچم لہرایا
جاگو جاگو صبح ہوئی

روسی سازوں اور گیتوں کے بند ہو جانے، نہتے افغانوں کے جیت جانے کے بعد مسجدِ اقصیٰ کی تباہی اور اس کا گریہ یوں نظم کرتے ہیں'

مسجد اقصیٰ روتی ہے　کیوں یہ تباہی ہوتی ہے
جاگ رہے ہیں جہاں یہود　امت مسلم سوتی ہے
جاگو جاگو صبح ہوئی (۱۵)

۶۔ سُرور انبالوی:

بزمِ گلزارِ ادب راولپنڈی کے بانی صدر سُرور انبالوی ایک کہنہ مشق شاعر اور دانش ور ہیں۔ آپ نے ''ارضِ فلسطین کی فریاد'' کے عنوان سے ایک نظم میں ارضِ مقدس کی موجودہ دِگرگوں حالت پر اپنے احساسات کو یوں پیراہن

اظہار سے نوازا،

آتش و آہن کی بارش اور دھواں بارود کا عقل حیراں امن کی دیوی کو آخر کیا ہوا

رستے بستے شہر بمباری سے کھنڈر ہو گئے آدمی نے آدمیت کو بھی ننگا کر دیا

شاعر انسان کے ہاتھوں انسانیت کی بے آبروئی، ہوا کی بیٹی کے سرِ بازار بے رِدا ہونے اور انسانیت کے نیلام کی داستانِ خونچکاں پر نوحہ کرتے ہوئے انسانیت ہی کے نام پر ننھے منھے بچوں کو خون میں نہلا دینے اور امن کی فاختہ کے قتل ہونے پر امن کے سوداگروں کے ضمیر پر دستک دیتا ہے۔اور پھر اہلِ فلسطین کی در بدری پر دنیا کے منصفوں سے سوال کرتا ہے،

یہ فلسطینی رہیں گے در بدریوں تا کجا کوئی چارہ بھی تو ہوگا آخر ان کے درد کا

اپنی اس نظم کے آخر میں تو سُرورانبالوی گویا تاریخ کے قاضی کا فتویٰ بے لاگ اور دوٹوک انداز میں پیش کر دیتے ہیں،

ہوگا آزاد ایک دن آخر فلسطیں دیکھنا ٹل نہیں سکتا کسی صورت بھی لکھا وقت کا

آخرش بازو کٹے گا ایک دن صیّاد کا اور سفینہ غرق ہوگا جبر و استبداد کا (۱۶)

۷۔ اکرم باجوہ:

اکرم باجوہ آجکل ادبی حلقوں میں ایک پنجابی شاعر کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ ان کی پنجابی شاعری کی کئی کتب منظرِ عام پر آ چکی ہیں ۔عمدہ پنجابی لہجے میں ادبی چاشنی سے مالا مال اور فنی و تکنیکی نزاکتوں سے ہمکنار ان کی شاعری کا اعتراف یوں بھی ہوا کہ ان کی کئی ایک تخلیقات کو مشرقی پنجاب (ہندوستان) کی یونیورسٹیوں میں نصاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔ بورے والا سے تعلق رکھنے والے اس شاعر کے بارے میں اب یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ان کا اصل میدان اردو شاعری تھا۔ اکرم باجوہ پاک فوج کی ایجوکیشن کور سے متعلق رہے اور منشا یاد اور اس قبیل کے دیگر شعراء کا ساتھ رہا۔ انہی میں سے کسی کی تحریک پر وہ پنجابی شاعری کی طرف آئے۔ وہ بہت وسیع المطالعہ شخصیت ہیں۔ انہوں نے عرب کے ایامِ جاہلیت کے عظیم شاعر امراؤ القیس کے ایک شعر، جس کا مفہوم ہے ''میرے دوست آؤ چند لمحوں کیلئے یہاں رُک جائیں۔کبھی اس جگہ میری محبوبہ کے خیمے ہوا کرتے تھے'' کو مرکزی خیال بناتے ہوئے فلسطین پر ایک نظم لکھی۔ اس غیر مطبوعہ نظم کہ جس کا عنوان ''کھنڈر'' ہے کا آغاز وہ یوں کرتے ہیں:

ہمسفر روک لے رہوارِ حسیں روک بھی لے

آ کہ اس قریۂ محبوب کے آثاروں پر
آج آئے ہیں تو پھر بیٹھ کے دم بھر رو لیں
آ کہ اس خاکِ معطر کے حسین زانو پر
طفل معصوم کی مانند گھڑی بھر سو لیں

پھر شاعر اس نہایت ہی رومانوی وخواب گیں انداز لئے ہوئے نظم میں حسین یادوں ،عہدِ ماضی کی حکایاتِ دل افروز، حسنِ جہاں سوز کے افسانوں ، ہر سمت مہکتے ہوئے پھولوں کی خوشبوؤں ،قمر چہرہ پری زادیوں اور جوانانِ رعنا کا تذکرہ کر کے اب اس کی تیرہ وتار فضا میں بارود کی بو، دامنِ شب میں سلگتی ہوئی لاشوں اور دشتِ پُر ہول میں یاروں کے بہتے ہوئے لہو پر ماتم کرتے ہوئے کہتا ہے:

ان منڈیروں پہ کبھی طلعتیں لہراتی تھیں
ان خرابوں میں برستے تھے وفا کے بادل
آج اک سحر کی زد میں ہیں یہ برباد مکاں
مٹ گئے جیسے کسی کتبہٗ شاہی کے حروف
مٹ گئے جیسے مٹا کرتے ہیں محلوں کے نشاں

کون وہ آنکھ ہے اس حال پہ جو روئی نہیں
اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں، کوئی نہیں۔ (۱۶)

۸۔ مطلوب علی زیدی مطلوب:

سید مطلوب علی زیدی مطلوب کا تعلق بہاولپور سے ہے۔آپ مقامی کالج میں انگریزی زبان وادب کے ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں۔ادبی گھرانے سے تعلق اور اہل زبان ہونے کے ساتھ ساتھ فارسی وانگریزی ادب سے کما حقہ شناسائی رکھتے ہیں۔اردو شاعری میں ان کا پختہ لہجہ اُن کے بڑے مقام کا پتہ دیتا ہے تاہم روایتی ادبی وعلمی مراکز سے دوری اور شاعروں اور ادب کی مروجہ انجمنوں سے دوری کی وجہ سے ان حلقوں میں زیادہ معروف نہیں ہیں۔ان کی شاعری کا ''صبوحی'' کے نام سے ایک دیوان چھپ چکا ہے۔''صبوحی'' چودہ مختلف لمعات پر مشتمل ہے جو گویا موضوعاتی ترتیب کو پیش نظر رکھ کر مرتب کی گئی مختلف کتب ہیں۔ان لمعات میں دو لمعات یعنی لمعۂ یازدہم اور لمعہ چہاردہم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جو بالترتیب طنز ومزاح اور منظومات برائے

اطفال پر مشتمل ہیں۔ دونوں میں جیسا کہ ناموں سے ظاہر ہے انہوں نے عام سنجیدہ ڈگر سے ہٹ کر ہلکے پھلکے اور فکاہیہ انداز میں مختلف موضوعات پر اشعار کہے ہیں ۔ بچوں کیلئے مختلف کہانیاں ، قصے ، لطائف اور پہلیاں وغیرہ عام فہم انداز میں کہی گئیں ہیں۔ تاہم ان لمعات کے مطالعے سے شاعر کے فہم کی گہرائی اور سوچ وفکر کی تہہ میں امت مسلمہ کا درد، اپنے شاندار ماضی پر فخر، اپنی تہذیب سے جڑے رہنے کی تمنا اور اغیار کی سازشوں سے ہوشیار رہنے اور دوسروں کو ہوشیار وخبردار کرنے کا انداز سمویا ہوا ہے۔

وہ بچوں کیلئے کہی گئی اپنی دوحصوں پر مشتمل ایک نظم ’’بڑی اور چھوٹی‘‘ میں دو بہنوں کی گڈیوں اور گڈوں کی کہانی کو نہایت خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہیں دونوں بہنوں میں گڈے اور گڈی کی شادی کے مسئلے پر لڑائی پر امریکہ کے باگڑ بلے کا آدھمکنا اور پھر ان کے درمیان نفرت کی خلیج کو بڑھا دینے کا قصہ نہایت پرُ کاری سے بیان کرتے ہیں اور بالآخر دونوں بہنوں کے اس سازش کو سمجھ جانے اور باگڑ بلے کو مل کر مار بھگانے اور گڈے گڈی کی شادی ہو جانے پر راضی خوشی مل جل کر رہنے کے عہد پر خوبصورت انداز میں اختتام کرتے ہیں ۔

اسی طرح طنز ومزاح کے لمعہ میں شاعر کی اس میدان میں افتادِ طبع کی نئی جہت سامنے آتی ہے جب وہ اپنی نظم ’’یو-این-او‘‘ میں بچوں سے پہیلی کی صورت میں یو-این-او کا مطلب پوچھتا ہے۔ ملاحظہ ہو‘

ایک پہیلی بوجھو بچو! کیا ہے بتاؤ یو-این-او
یو-ایس-اے کا یو ہے، اور باقی سب ہے نوہی نو
شام سویرے یہ ڈائن امریکہ کے گن گاتی ہے
مظلوموں پہ آفت آئے ، بہری یہ بن جاتی ہے

اور پھر اگلے شعر میں تو فلسطینیوں اور عربوں پر اقوام متحدہ کے زیرِ سایہ ظلم کا پردہ یوں چاک کرتا ہے‘

عربوں کی دولت کے بل پر، ہر دم عیش اڑاتی ہے
اسرائیل کے سانپ سے ان کو، آئے دن ڈسواتی ہے (۱۸)

۹۔ سید محمد جعفری:

سید محمد جعفری نے یو این او کے عنوان سے ایک نظم کہی ہے جس میں امریکہ کے پٹھو اس ادارے کے ملت اسلامیہ کے حوالے سے دوہرے معیار پر سخت تنقید کی گئی ہے‘

؎ یو این او کے پیٹ میں سارے جہاں کا درد ہے
وعدۂ فردا پہ ٹرخانے کے فن میں فرد ہے

اور اس سے آگے چل کر وہ قضیۂ فلسطین پر اس کے کردار کا پردہ یوں چاک کرتے ہیں'

؎ گرچہ پٹوا تا فلسطیں میں خود اپنی نرد ہے!
ایسی قوموں سے خفا ہے جن کی رنگت زرد ہے

دلداں وقت ہے انصاف کا یہ ٹھیکیدار
جب فلسطین میں نہ آئے تھے یہودی بے شمار

پیش قدمی کو عرب کی اُس نے روکا بار بار
اور اسرائیل کے فتنے کو سونپا اختیار (۱۹)

۱۰۔ گوہر ملیسانی:

گوہر ملسیانی اپنی ایک ترانہ نما نظم ''جاگ مسلماں اب تو جاگ'' کا آغاز ہی اہل فلسطین کی حالتِ زار سے کرتے ہیں'

؎ خون مسلماں ارزاں ارزاں
اہل فلسطین لرزاں لرزاں
ظلم وستم ہے رقصاں رقصاں
دنیا بنی ہے شہر خموشاں

کیسی لگی ہے ہر سو آگ
جاگ مسلماں اب تو جاگ

اجڑا ہے بیروت کا گلشن
غنچوں اور پھولوں کا مسکن
چھوٹا ہے اب آس کا دامن
چلنے پر ہے ان کے قدغن

ڈستے ہیں صیہونی ناگ
جاگ مسلماں اب تو جاگ (۲۰)

۱۱۔ یوسف ظفر:

سانحۂ بیت المقدس پر یوسف ظفر نے اپنی نظم میں نہایت بلیغ انداز میں اپنوں کی بے وفائی کا تذکرہ کیا ہے'

دیکھ اے چشمِ زلیخا قدر اپنے پیار کی
آج پھر یوسف کے بھائی ہیں خریداروں کے ساتھ
دین سے کٹ کر ہوا مالِ عرب، پیشِ عرب
اور عصا بھی ہے یدِ بیضا میں ہتھیاروں کے ساتھ

تبھی تو وہ قبلۂ اول کو مشورہ دیتا ہے کہ تو پھر کسی صلاح الدین ایوبی کی تلاش کر'

قبلۂ اول، صلاح الدین ایوبی کو ڈھونڈ
آملی دیوارِ گریہ، تیری دیواروں کے ساتھ (۲۱)

۱۲۔ ناصر نظامی:

ناصر نظامی کا تعلق بنیادی طور پر فیصل آباد سے ہے، وہ ایک عرصہ ایمسٹرڈیم ہالینڈ میں مقیم رہے۔ ''صلیب گر'' کے نام سے ایک کتاب اُن کی شاعری پر مشتمل ہے۔ جس کو ۱۹۸۸ء میں کراچی اسٹڈی سرکل نے شائع کیا۔ اس کتاب کا مقدمہ ''بغیر عنوان کے'' پروفیسر شہرت بخاری نے لکھا جس میں انہوں نے ناصر نظامی کو ایسا شخص قرار دیا ہے جس کا ضمیر زندہ اور آنکھیں بیدار ہیں اور جس نے اپنے وطن سے اپنی آنول نہیں کاٹی۔

ناصر نظامی کے دل میں وطن کی مٹی سے محبت کے ساتھ عالم اسلام کا درد بھی ہے۔ وہ اپنی اس کتاب میں ایک نظم ''لبنان و آسام'' میں اس کا اظہار یوں کرتا ہے'

بہتا رہا لبنان کے گلشن میں لہو عام
خاموشی سے منہ دیکھا کیا عالم اسلام (۲۲)

ناصر نظامی عالم اسلام کے مسائل کی ایک وجہ اقوامِ متحدہ کے ادارے کو قرار دیتے ہیں۔ ان کے

نزدیک یہ ادارہ صرف مغرب کے مفادات کا پاسبان ہے اپنی نظم ''لبنان و آسام'' میں کہتے ہیں'

ے دنیا میں ریا کاری کا سب سے بڑا اڈہ!
افرنگی مفادات کی ماں عالمِ اقوام! (۲۳)

۱۳۔ ادا جعفری:

ادا جعفری مسجدِ اقصیٰ کی نوحہ کناں صورتحال پر لوگوں کو مخاطب کر کے اپنا دکھ بیان کرتی ہیں۔ اور حرمِ محترم کے بارے میں کہتی ہیں'

ے محترم ہے مجھے اس خاک کا ذرہ ذرہ
ہیں یہاں سرورِ کونینؐ کے سجدے کے نشاں
اس ہوا میں مرے آقا کے نفس کی خوشبو
اس حرم میں مرے مولا کی سواری ٹھہری

اور پھر ملت کو مخاطب کر کے کہتی ہیں'

ے اس کی عظمت کی قسم ارض و سما نے کھائی
تم نے کچھ قبلۂ اول کے نگہبان! سُنا؟
حرمتِ سجدہ گہر شاہ کا فرمان سنا؟ (۲۴)

۱۴۔ متفرق شعراء:

فلسطین عالم اسلام کا ایسا مسئلہ ہے جس پر ہر دل تڑپا اور ہر ایک آنکھ روئی ہے اور دانشوروں اور ادیبوں کا طبقہ تو ویسے بھی معاشرے کا حساس ترین طبقہ ہوتا ہے۔ چنانچہ تقریباً تمام قابلِ ذکر اہل قلم نے اس موضوع پر کچھ نہ کچھ کسی نہ کسی پیرائے میں ضرور لکھا ہے تاہم ان تمام کا تذکرہ اس مقالے کے حجم میں بے جا اضافہ کا باعث ہوگا اس کیلئے اس کو کسی اور وقت پر اٹھا رکھتے ہیں صرف چند دیگر شعراء کا تذکرہ ہی ان سطور میں ممکن ہے۔ فلسطین کے قبضے پر ن۔م۔راشد، منظور عارف، حبیب جالب، احمد فراز، سید ضمیر جعفری، خاطر غزنوی، رئیس امروہوی، صلاح الدین پرویز، احمد شمیم، محمود شام، صلاح الدین محمود، شورش ملک، حسن عباس رضا، سلطان رشک، صفدر ہمدانی، بلقیس محمود، طاہر حنفی، محمد فیروز شاہ، زاہد ملک، ڈاکٹر ایوب اور راشد حسن رانا نے بھی اپنے جذبات و احساسات کو اشعار کی صورت میں پیش کیا ہے۔

فصل دوم: مسئلہ کشمیر پر منظوم اردو مزاحمتی ادب

خطۂ کشمیر جنت نظیر کے مصائب کا آغاز تو اسی دن ہو گیا تھا جب اپنوں کی بے مہری اور ناعاقبت اندیشی کے باعث ۱۸۱۹ء میں اس پر سکھوں کا قبضہ ہوا۔ پہلے معاہدہ لاہور اور پھر معاہدہ امرتسر کی رو سے وادئ جموں و کشمیر اور اس کی قوم کا پہلے سکھوں کے ہاتھوں انگریزوں کو سوا دس لاکھ اشرفیوں کے عوض اور پھر انگریزوں کے ہاتھوں گلاب سنگھ ڈوگرہ کو پچھتر لاکھ روپے نانک شاہی میں سودا کر دیا گیا۔ علامہ اقبال نے ان رسوائے زمانہ معاہدوں کا مرثیہ یوں لکھا'

دہقان وکشت و جوئے وخیاباں فروختند
قومے فروختند وچہ ارزاں فرختند

علامہ اقبال جو اس دھرتی کے فرزند تھے ''ملازادہ ضیغم لولابی کشمیری کا بیاض'' میں جہاں کشمیر کے حسن کی دلفریبی کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں'

پانی ترے چشموں کا تڑپتا ہوا سیماب
مرغانِ سحر تیری فضاؤں میں ہیں بے تاب
اے وادئ لولاب!

تو وہیں وہ محکوم و مجبور کشمیر کا دُکھ یوں ظاہر کرتے ہیں۔

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر
کل جسے اہلِ نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر (۲۵)

اس پس منظر میں پاکستان کے اردو شعراء نے کشمیر اور اہل کشمیر کے درد کو محسوس بھی کیا ہے اور اسے صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے میں اپنا حصہ وافر ادا کیا ہے۔ اردو میں مسئلہ کشمیر پر مزاحمتی ادب کا موثر ترین حصہ نظم اور ترانہ کی صورت میں ہے۔ جس سے اہل وادی میں ایک طرف تحریک مزاحمت کو تقویت ملی تو دوسری طرف اہل پاکستان کشمیریوں کی پشتیبانی کے جذبے سے سرشار ہوئے۔ کشمیر پر نظموں اور ترانوں کی صورت میں مزاحمتی ادب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(i) نظم و ترانہ کی مکمل کتب (ii) متفرق نظمیں اور ترانے

(i) نظم و ترانہ کی مکمل کتب

اس سلسلہ میں تین کتب ہماری نظر سے گزر سکی ہیں۔

ا۔ سروادیٔ کشمیر از شفقت تنویر مرزا:

شفقت تنویر مرزا کا تعلق بنیادی طور پر کشمیر سے ہے مگر اپنے طالب علمی دور سے پاکستان میں مقیم ہیں اور صحافت کے میدان میں ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ پاکستان کی آزادی کے بعد مراحل تحریک آزادی کشمیر کو انہوں نے بچشم خود دیکھا ہے۔ عام طور پر ان کو ایک روشن خیال مفکر خیال جاتا ہے۔ ان کے نظریات کی تعبیریں مختلف ہوتی ہیں۔ ان کی کتاب ''سروادیٔ کشمیر'' کو دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد نے ۱۹۹۴ء میں شائع کیا ہے۔ موصوف صحافت کے پیشے سے وابستہ ہیں اور بالعموم پنجابی ادب اور پنجاب کے صوفی شعراء کی سوانح ان کا میدانِ تحقیق ہے۔ کشمیری الاصل ہونے کی بنیاد پر ان کے کالج کے زمانے کے کشمیر پر کہے گئے اشعار، ترانوں اور نظموں کا مجموعہ مذکورہ صدر عنوان سے جب شائع ہوا تو بقول ان کے بہت وقت گزر جانے کے باوجود ان کی یہ کاوش کشمیر کی صورتحال پر آج بھی صادق آتی ہے کیونکہ کشمیر کی صورتحال میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ یک صد اکسٹھ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا مقدمہ ''حرف محرمانہ'' کے نام سے کلیم اختر نے لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ'

''شفقت تنویر مرزا کا احساسِ وطنیت اور اپنی مٹی سے پیار بے ساختہ ہے وہ کوئی بات ایسی نہیں کہتے جو سطحی ہو یا خیالی ہو یا فرمائشی''۔

خود مصنف نے اپنے احساسات کو فیض احمد فیض کے ایک مصرعہ ''توفیق ذکرِ وطن اپنے روبرو ہی سہی'' کے عنوان سے تحریر کیا جس کے مطابق ان نظموں میں آخری فریاد غالباً ۱۹۵۵ء میں کی گئی، کل اکیاون نظمیں شاملِ اشاعت ہیں۔

پہلی نظم ''پہلی پکار'' کے عنوان سے ہے جس میں کشمیر کی صورتحال بیان کر کے آخر میں خدائے عالم سے مدد کی درخواست کی گئی ہے جس کا ذکر حمد و مناجات میں گزر چکا۔ دو نعتیں شاملِ اشاعت ہیں جن میں غم کشمیر کو بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض کیا گیا ہے۔ اس کا ذکر بھی گزر چکا۔ پھر شاہ، ہمدانؒ کی روح سے کچھ باتیں اسی سلسلہ میں نظم کی گئی ہیں۔ دو کنارے میں کشمیر کے دونوں حصوں کے عوام کی دوری، دلوں کی قربت اور مشترکہ غم کی عکاسی کی گئی ہے۔ حرم کا ورثہ، تقلید کا فرض، سرِ راہ گزر، شمع امید، خاک وطن، جاتا سال آتا سال، تہی دستی اور ایسی ہی دوسری نظموں میں کشمیر جنت نظیر کی نکہتوں کی بربادی کے تذکرے ہیں۔ ''ارض مظلوم'' میں

شاعر کہتے ہیں'

ے　آہ! مظلوم وطن، اچھے وطن پیارے وطن
تجھ پہ بے رحم خزاؤں کی یہ یورش کیسی!
آہ، خوں رنگ قباؤں کی یہ پوشش کیسی
تیرے رنگین خیالوں میں یہ سوزش کیسی
تجھ کو بے دردی سے سر کرنے کی کوشش کیسی (۲۶)

''غنچہ ناشگفتن ہا'' میں کہتے ہیں'

ے　قدم قدم پہ جنازے ہیں مرنے والوں کے
شرار حرص و ہوس ہے دلوں میں رقصندہ
یہ کشمکش، یہ فروزاں کدورتوں کے چراغ
نہ جانے گزرے گا کیا کیا دلوں پہ آئندہ

اور وادی کے اجڑے چناروں پر گزرتی قیامت کی عکاسی کچھ یوں کی ہے'

ے　جمالِ زیست نے دیکھا ہے چشمِ پُرنم سے
اجڑ رہی ہے چناروں کے حسن کی وادی
گزر رہی ہے قیامت ستم کے ماروں پر
حیات شعلہ بداماں نگاہ فریادی (۲۷)

''خواب گل پریشاں ہے'' کے عنوان سے نظم میں اقوام متحدہ کے ادارے کی بے حسی کا تذکرہ یوں کرتے ہیں'

ے　کھٹکھٹایا در اقوام تو آئی یہ صدا
ہم کو فرصت نہیں سازش کی طرب گاہوں سے
اب پریشاں نہ کرو وقت کے جباروں کو
لوٹ جاؤ سبھی تم آئے ہو جن راہوں سے (۲۸)

ملت کے ''راہ نماؤں سے'' یوں مخاطب ہیں'

ے　قافلہ، قافلہ سالارو! بھٹک جائے گا
تم اگر وقت کی رفتار سے واقف نہ ہوئے
کوئی دنیا میں ٹھکانہ نہ رہے گا اپنا
تم جو اغیار کی گفتار سے واقف نہ ہوئے (۲۹)

غرض شفقت تنویر مرزا اپنی اس کتاب کے ہر ورق اور ہر ورق کی ہر سطر میں کشمیر کے دکھ کو الفاظ میں منتقل کرتے نظر آتے ہیں۔ کتاب کے سرورق پر دو مظلوم کشمیری خواتین کو آہ و بکا کرتے دکھایا گیا ہے جن کے اوپر خون کسی لاوے کی مانند چھایا جا رہا ہے، اس صورتحال کی غماز مصنف کی نظم ''آخری فریاد'' ہے جو کتاب کی سب سے آخری نظم ہے۔ اللہ رب العالمین کی طرف سے ظالموں کی رسی دراز کرنے پر یوں شکایت کناں ہیں'

ے　چیختی پھرتی ہیں فریادیں سرِ عرشِ بریں
داورِ محشر کے دروازوں سے ٹکراتی ہیں سر
طالبِ انصاف ہیں اس خالقِ آفاق سے
آج ہے ہر ظلم سے جو بے نیاز و بے خبر

پھر یوں عرض گزار ہیں'

ے　مالک ارض وسما، اے میرے آباء کے خدا
دیکھ دھرتی پر نہ مٹ جائے تیرا اقدسی جمال
بن نہ جائے قصۂ پارینہ تیرا عدل بھی
جوش میں آیا نہ گر یہ دیکھ کر تیرا جلال

نظم کے اختتام پر خالقِ ارض وسما کی رحمت سے امید اور دعاؤں کے مستجاب ہونے اور ان کی تاثیر کا نقشہ کھینچتے ہیں'

ے　''اے دعائیں مانگنے والے اندھیری رات میں
لحظہ لحظہ منقلب ہوتی ہوئی تقدیر دیکھ''
عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ (۳۰)

۲۔ جنگ جاری رہے از سلیم ناز بریلوی:

سلیم ناز بریلوی کی ''جنگ جاری رہے'' کشمیریوں کے غموں کی عکاسی کے ساتھ تازہ تحریکِ مزاحمت میں ان کے جذبات کی ترجمان بن کر ابھری ہے۔ دو صد چھتیس صفحات پر مشتمل اس کتاب کو اسلامک پبلی کیشنز لاہور نے چھاپا ہے۔ جس میں کل اٹھاسی نظمیں اور انقلابی ترانے کشمیر ہی کے موضوع پر ہیں۔ سرخ رنگ کے سرورق پر کشمیر کے چنار کا ''پتہ'' جو کشمیر کا امتیازی نشان بھی ہے، اوپر پوری آب و تاب کے ساتھ سبز رنگ میں دکھایا گیا ہے جو زرد ہوتا ہوا نیچے بہتے ہوئے آگ کے دریا میں گر کر سرخ ہو چکا ہے اور بہنے ہی والا ہے۔ کتاب کا پیش لفظ قاضی حسین احمد نے لکھا ہے جبکہ دیگر تاثیرات لکھنے والوں میں امجد اسلام امجد، سید صلاح الدین، جنرل (ر) حمید گل اور عطاء الحق قاسمی ہیں۔ پھر شاعر کے اپنے خیالات کا اظہار ہے۔ امجد اسلام امجد، سلیم ناز بریلوی کی نظموں اور ترانوں کی مقبولیت پر لکھتے ہیں'

''میں سمجھتا ہوں کہ عوامی مقبولیت خود اپنی جگہ پر ایک باقاعدہ اور مسلمہ معیار ہے۔ سو عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کا گانا ہو یا استاد دامن اور سلیم ناز بریلوی جیسے شاعروں کی شاعری.......''(۳۱)

عطاء الحق قاسمی کے بقول:

''سلیم ناز ایک انتھک قلمی مجاہد ہے جو اب تک صرف جہاد کشمیر کے موضوع پر سینکڑوں رزمیہ ترانے لکھ چکنے کے باوجود اسی موضوع پر تخلیقی دولت سے مالا مال ہے ..... میں اپنے اس دوست کو سلام کرتا ہوں'' (۳۲)

کتاب کا ٹائٹل (عنوان) اُن کی پہلی نظم سے ماخوذ ہے، کہتے ہیں'

غیب سے فتح کی برفباری رہے
جنگ جاری رہے جنگ جاری رہے

میرے بیٹے یہ ماں تجھ پہ واری رہے
جنگ جاری رہے جنگ جاری رہے

خار کی نوک سے پھول کے رنگ تک
زعفرانی ہواؤں کے آہنگ تک
آئینوں تک ہی کیا ایک اک سنگ تک

یہ ہماری زمیں ہے ہماری رہے

جنگ جاری رہے　جنگ جاری رہے　(۳۳)

آزادی کے تین نشان، اہل وادی جشن مناؤ اب جموں بھی جاگا ہے، اگرچہ کاشمیر میں ستم کی گھور رات ہے اور اللہ اکبر اللہ اکبر ایسی مترنم نظمیں اور انقلابی ترانے تن بدن میں ایک ولولہ اور آزادی کی امنگ بھر دیتے ہیں۔

سلیم ناز بریلوی کے ہاں محض کشمیر کے دکھ اور درد کا رونا نہیں ہے۔ وہ اگرچہ قابض فوجوں کے ہاتھوں کشمیریوں پر لگنے والے ایک ایک زخم کا تذکرہ اس کے گھاؤ اور روح تک اس کی ٹیسوں کے ساتھ کرتا ہے تاہم وہ اس سے جذبۂ محرکہ کا کام لیتا ہے۔ اور ان دکھوں کو قوت اور جذبۂ جہاد میں بدل دیتا ہے اور آزادی کی منزل سامنے دکھا دیتا ہے؎

آزادی کا سورج نکلا گھور اندھیرے بھاگ ذرا

امتِ مسلم جاگ ذرا (۳۴)

تازہ تحریک آزادی میں ناز ایک تو جابجا قابض فوج کے گرے ہوئے مورال کا تذکرہ کر کے تحریک آزادی کشمیر کے مجاہدین کو حوصلہ دیتا ہے۔ دوسرے وہ دنیا کو اس مسئلہ کی سنگینی سے آگاہ کرتا نظر آتا ہے۔ اُس نے ایک ترانے میں "We Want Freedom" کے انگریزی جملہ کو باقاعدہ مصرعہ بنایا ہے اور ہر بند کے آخر پر اس کو دہرا کر اقوامِ عالم کو متوجہ کرنے کی شعوری کوشش کی ہے۔ وہ جابجا ایمنسٹی انٹرنیشنل سمیت دیگر عالمی اداروں کی منافقت کا پول کھولتے ہوئے نظر آتا ہے۔

شاعر نے معروف کشمیری ترانے ''میرے وطن تری جنت میں آئیں گے اک دن'' کی بڑی خوبصورت تضمین کی ہے؎

جھلس رہے ہیں جہنم میں آج گھر سارے
بھڑکتی آگ کا ایندھن ہیں بام و در سارے
لہو سے آتش نمرود کو بجھا دیں گے
ترے بدن سے اے شہہ رگ تجھے ملا دیں گے
سو کاشمیر تری جنت میں آئیں گے اک دن
ترے چناروں کو دولہا بنائیں گے اک دن (۳۵)

ایک اور نہایت ولولہ انگیز نظم کو انہوں نے خود ترنم سے گا کر موسیقیت کا خوبصورت آہنگ عطا کیا'

کر نغمۂ آزادی برپا آہنگِ طوق و سلاسل سے
خود سارے خنجر چھوٹ گریں گے ہر اک دستِ قاتل سے (۳۶)

وہ اپنی نظموں میں جابجا مغرب اور دیگر استعماری طاقتوں کے اس پراپیگنڈے کو غلط قرار دیتا ہے کہ ''کشمیری مجاہدین'' دہشت گرد ہیں چنانچہ اس کی ایک نظم کا ایک مصرعہ ہے

ہم دہشت گرد نہیں ہیں کشمیر ترے رکھوالے ہیں (۳۷)

سلیم ناز بریلوی کی کئی ایک نظمیں تو پاکستانی سرکاری ذرائع ابلاغ پر بھی مختلف اوقات میں کئی ڈراموں اور پروگراموں میں اس کی اپنی آواز میں چلتی رہی ہیں۔ وہ پاکستان کے اس اصولی موقف کہ ''کشمیر پاکستان کی شہہ رگ ہے'' اور کشمیریوں کے الحاق پاکستان کے مطالبے کے حق میں یوں کہتے ہیں'

بات یہ گزرے چاہے ہندوستان پہ جتنی شاق
پاکستان سے ہونا ہے کشمیر کا اب الحاق (۳۸)

3-شوق شہادت زندہ ہے، از گوہر ملسیانی

گوہر ملسیانی کی اس کتاب کو نومبر ۱۹۹۳ء میں گوہر پبلکیشنز صادق آباد نے شائع کیا۔ کتاب کا انتساب ہی کشمیری مجاہدین کے نام ہے۔ اسی صفحات پر مشتمل اس کتاب پر ڈاکٹر انور سدید کے تاثرات بیک ٹائٹل پر چھپے ہیں۔ اس میں چند ایک نظمیں اور ترانے کشمیر کے علاوہ عالم اسلام کی عمومی حالت، افغانستان اور دیگر ممالک اسلامیہ کی صورتحال پر بھی ہیں تاہم مجموعی طور پر یہ کتاب مصنف کی کشمیر سے متعلق ان کے جذبات و احساسات کے منظوم پیرائے میں ایک کاوش ہے۔ کتاب کے آغاز ہی میں ایک ''دعا'' ہے جس میں مجموعی طور پر عہد حاضر میں اہل اسلام کے حالات میں اللہ سے بہتری کی درخواست ہے۔ پھر مناجات ہے جس کا تذکرہ ''حمد و مناجات کیصورت میں مزاحمتی ادب کے جائزے میں گزر چکا ہے۔ نعت کا تذکرہ بھی ہو چکا۔ اس کے بعد ایک خوبصورت ترانہ شامل اشاعت ہے ملاحظہ ہو'

اللہ اکبر زندہ ہے اللہ اکبر زندہ ہے
ہر مردِ مجاہد زندہ ہے اللہ اکبر
ہر نخل گواہی دیتا ہے کشمیر کی اجلی وادی کا

کشمیر میں جو چنگاری تھی اب شعلہ ہے آزادی کا
اب نعرہ ہے یہ مستانہ کشمیر کی سب آبادی کا
اللہ اکبر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(۳۹)

''نورِ آزادی'' کے عنوان سے ایک طویل نظم بھی کتاب کا حصہ ہے جس میں کشمیر کے حُسن کے تذکروں سے لیکر اسکی تاریخِ لہولہان کا تذکرہ فنی باریکیوں کا خوب لحاظ کرتے ہوئے نظم کیا گیا ہے۔ شیخ عبداللہ کے کردار کا تذکرہ یوں کرتے ہیں'

؎ شیخ عبداللہ کبھی ظلم وستم ڈھاتا رہا
آستیں کا سانپ بن کر کوئی ڈس جاتا رہا
نت نئے انداز سے ہر ایک بہلاتا رہا
اپنی اپنی بانسری کے بول سنواتا رہا
وعدۂ فردا پہ کشمیری دغا کھاتے رہے
اپنے ہی اہلِ وطن سے ہر سزا پاتے رہے (۴۰)

جذبۂ آزادئ کشمیر کو یوں مہمیز دیتے ہیں'

؎ داستانِ عزم و ہمت خون سے تحریر ہو
خطۂ کشمیر کے پھر خواب کی تعبیر ہو (۴۱)

مرے کشمیر، جرأت کے پہاڑ، محاذِ جنگ بلا رہا ہے اور جذبۂ مستانہ میں آزادی کشمیر کے متوالوں کو جگانے، برسرِ پیکر رکھنے اور شوقِ شہادت فزوں کرنے کیلئے گوہر ملیسانی اپنا فن زیرِ کار لاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ''شوق شہادت زندہ ہے'' اُن کی کتاب کا عنوان بھی ہے اور اسی عنوان سے اپنے ایک ترانے میں کشمیری ملت کے شوقِ شہادت کی عکاسی یوں کرتے ہیں'

؎ کشمیر کے مسلم جاگے ہیں اور شوق شہادت زندہ ہے
ہر پیر و جواں کے جذبے میں اسلاف کی جرأت زندہ ہے

چنانچہ تمام ظلم وستم کے باوجود کشمیریوں کی اسلام کے ساتھ چاہت زندہ ہے جو بالاخر ان کی آزادی کی نوید ہوگی۔

کشمیر کے زندہ باشندے، جسموں پر داغ سجاتے ہیں
آزادیٔ گلشن کی خاطر سر اپنے روز کٹاتے ہیں
اور جامِ شہادت پیتے ہیں، جرأت سے خون بہاتے ہیں
اس ظلم و ستم کے عالم میں اسلام کی چاہت زندہ ہے
اب شوقِ شہادت زندہ ہے (۴۲)

(ii) متفرق نظمیں و ترانے:

مسئلۂ کشمیر پر اردو میں منظوم مزاحمتی ادب کی ایک جھلک مندرجہ ذیل جائزے سے سامنے آئے گی جس میں پاکستانی کے شعراء کے مختلف اوقات میں کہے گئے ترانوں اور نظموں کا تذکرہ ہے۔

ا۔ آغا شورش کاشمیری:

آغا عبد الکریم المعروف شورش کاشمیری ہفت روزہ چٹان لاہور کے ایڈیٹر، نہایت جوشیلے قلم کار اور شاعر تھے اور بقول ظہیر کاشمیری ان کی جبلی صلاحیتیں سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ظفر علی خاں اور چودھری افضل حق جیسے عبقری دماغوں کے حلقے میں پروان چڑھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف وہ مرصع نثر نگار، پرگو شاعر اور شعلہ نوا خطیب تھے تو دوسری طرف ساری عمر محاذِ آزادی کے ہراول دستے میں شامل رہ کر دادِ شجاعت دیتے رہے۔ وہ شعر و ادب اور سیاست دونوں میدانوں میں شہسواری کرنے کے باوجود کبھی بھی دوہری شخصیت کے حامل نہ رہے۔ ان کی تقریروں کی نوک پلک، ان کے مترنم لفظوں کا زیر و بم اور ان کا تاثر آفریں اندازِ تخاطب بڑے بڑے ادیبوں کو شرما دیتا۔ جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء میں انہوں نے جنگی ترانوں اور نظموں سے قوم کے دلوں کو گرما کر رکھ دیا۔ اسی دور میں کشمیر پر ''محمد بن قاسم کا انتظار'' کے عنوان سے اپنی ایک نظم میں کہتے ہیں'

فغاں برلب ہیں ان حالات میں اس کے چنار اب تک
الٰہ العالمین! کشمیر ہے زار و نزار اب تک
اڑا کر لے گئے جن کونپلوں کو ہند کے سینگ
محمد ابن قاسم کا ہے ان کو انتظار اب تک (۴۳)

جد و جہد آزادیٔ کشمیر میں خواتین کی بہادری اور دلیری کو سلام پیش کرتے ہوئے ''سری نگر کی بیٹیاں''

کے عنوان سے معروف نظم کہی۔

؎ یہ لالہ فام بچیاں، یہ خوش خرام بچیاں، یہ نیک نام بچیاں یہ تیز گام بچیاں
سری نگر کی بیٹیاں
جہاد کی پکار ہیں حیا کا شاہکار ہیں بلا کی شہسوار ہیں بلوط ہیں چنار ہیں
سری نگر کی بیٹیاں (۴۴)

۲۔ جوش ملیح آبادی:

''کمزور کو آسودگیٔ دل نہیں ملتی'' کے عنوان سے جوش ملیح آبادی اپنی ایک خوبصورت نظم میں کشمیر کے جوانوں کو ہمتِ مردانہ سے کام لینے پر ابھارتے ہوئے رقمطراز ہیں'

؎ اے جنت کشمیر کے بیدار جوانو!
اے ہمتِ مردانہ کے ذی روح نشانو!
سو بات کی یہ بات ہے اس بات کو مانو
بے غرق ہوئے کوئی ابھرتا ہی نہیں ہے
جو قوم پہ مرتا ہے وہ مرتا ہی نہیں ہے

اور دنیا کے اندر عزت سے جینے کا اصول یوں بتاتے ہیں'

؎ کمزور کو آسودگیٔ دل نہیں ملتی
جب تک نہ جلے شمع کو محفل نہیں ملتی
عزت کے خرابات میں پینے نہیں دیتی
دنیا کبھی نامرد کو جینے نہیں دیتی (۴۵)

۳۔ ابوالاثر حفیظ جالندھری:

پاکستان کے قومی ترانے کے خالق، قادر الکلام شاعر حفیظ جالندھری ''کشمیر کے جانباز'' کے عنوان سے اپنی نظم میں کشمیری مجاہدوں کو یوں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں'

؎ وہ دیکھو وادیٔ کشمیر کے جانباز جاتے ہیں
ستارے اپنی آنکھیں جن کی راہوں میں بچھاتے ہیں

حفیظ جالندھری ''جو کہساروں پر جاری ہے وہ ساری جنگ ہماری ہے'' کے فلسفہ کی تشریح یوں کرتے ہیں'

یہی وہ ہیں جو ایماں کی خاطر جان دے دے کر
عدو کے آہنی پنجوں سے ہم سب کو بچاتے ہیں
زمانے بھر کی دولت ان کے اس ایثار پر قربان
یہ ہم پر ڈھال بن کر گولیاں سینے پہ کھاتے ہیں

اور اس نظم کے آخر میں شاعر خداوند قدوس سے یوں دست بدعا ہیں'

خداوندا ترے محبوب کی امت پہ حملہ ہے
تیری نصرت سے یہ غازی مجاہد فتح پاتے ہیں (۴۶)

۴۔ احمد ندیم قاسمی:

احمد ندیم قاسمی نے کشمیر پر اپنی نظم کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں کشمیر کی بے خانماں اور لٹی پٹی صورتحال کا نقشہ کھینچا ہے'

ہر گل کی جبیں پُر شکن ہے　　کشمیر لٹا ہوا چمن ہے
پھولوں نے چھپا رکھا ہے ورنہ　　زخموں سے اٹا ہوا بدن ہے
جلتے ہوئے گھر چھنے ہوئے کھیت　　ہر شخص وطن میں بے وطن ہے

دوسرے حصے میں اقوام متحدہ کے ادارے کی بے حسی کو موضوع سخن بنایا گیا ہے'

سنتے ہیں سمندروں کے اس پار　　اقوام کی ایک انجمن ہے
آج اس کے اصول کے مطابق　　ظالم ہے وہی جو خستہ تن ہے
حق بات تو خیر جرم تھا ہی　　حق مانگنا بھی دوانہ پن ہے
سچ کہتی ہیں سب غریب قومیں　　یہ بزم بھی بزم اہرمن ہے

اور تیسرے حصے میں قاسمی صاحب نے کشمیریوں کی حالیہ جدوجہد اور مزاحمت کو تاریخ کے ابواب کے پلٹنے سے تعبیر کیا ہے اور امید کی کرن دکھائی ہے'

تاریخ الٹ رہی ہے اوراق　　کشمیر کی برف شعلہ زن ہے

تسلیم کہ ظالموں کے نزدیک　　کشمیر دریدہ پیرہن ہے
کشمیر کی مفلسی میں لیکن　　اب کیسا بلا کا بانکپن ہے
جو موت ہو زندگی کی خاطر　　وہ زندگی کا کمال فن ہے (۴۷)

۵۔ جعفر طاہر:

جعفر طاہر ایک قادر الکلام اور ہفت زبان شاعر تھے۔ جب وہ شعر کہتے تو مختلف زبانوں کے الفاظ ہاتھ باندھے قطار در قطار اُن کے سامنے کھڑے نظر آتے اور وہ اپنی مرضی سے جسے چاہتے بطور بخشیش استعمال کرتے۔ اُن کی اس خصوصیت کا اعتراف اس عہد کے نامور شعراء نے کیا ہے۔ احمد ندیم قاسمی جو ایام آزمائشِ اہل اقتداران کے ضیفِ دلنواز بھی رہے اُن کی اس خصوصیت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں'

''جعفر طاہر کے ذہن میں مترادفات کے دریا بند ہیں ...... جعفر طاہر آن کی آن میں متبادل اردو، ہندی، فارسی اور عربی الفاظ کی قطاریں لگا دیتا تھا''۔

جعفر طاہر جھنگ کی سرزمین کے بلند آہنگ اور پُر گداز شاعر تھے۔ انہوں نے شاعری میں بڑے مشکل اور انوکھے تجربات بھی کیے۔ اردو میں وہ پہلے اور غالباً آخری کامیاب کینٹو نویس ہیں۔ کینٹو (Canto) رزمیہ یا بزمیہ نظم کو کہتے ہیں جو غنائی انداز سے پیش کی جاسکتی ہے۔ اگرچہ ن-م-راشد نے کینٹو لکھنے کی کوشش کی مگر وہ زیادہ کامیاب نہیں ہوئے۔

جعفر طاہر کی وہ شاعری جو چھپ نہ سکی اُس کو ان کے ہمدم دیرینہ منظور سیال مرحوم نے جمع کر کے ''شاعر نہیں ساحر تھا وہ'' کے عنوان سے چھاپا، جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کی شاعری جملہ اصناف کا احاطہ کرتی ہے، کہیں نظم آزاد، کہیں نظم معرّیٰ، کہیں غزل، کہیں مربعے، مخمس، مسدّس، قطعہ، Odes، Epic اور کہیں ترکیب بند غرض تمام اصناف سخن کو بلا کی موسیقیت سے استعمال کیا گیا ہے۔ شاعر نے ''قصہ چہار درویش جدید'' میں چار درویشوں ہندوستان، چین، یونان اور کشمیر پر کینٹوز کہے ہیں۔ ان کینٹوز میں ان چہار درویش کی تہذیب وتمدن اور تاریخ کا عہد قدیم تاحال جائزہ خوبصورت انداز سے نظم کیا ہے، کشمیر پر ان کے بیشتر کینٹوز مرورِ زمانہ میں فنا کی نذر ہو گئے۔ تاہم دو کینٹوز دستیاب ہیں۔ ایک کینٹو شہنشاہ اکبر کی کشمیر آمد پر ہے اور دوسرا پری محل پر۔ پری محل ایک نہایت خوبصورت محل تھا جس کو ملکہ نور جہاں نے قصرِ گپکار سے کچھ فاصلہ پر جھیل ڈل کی مشرقی سمت ایک پُر فضا پہاڑی پر تعمیر کرایا تھا۔ چوتھے درویش یعنی کشمیر پر شاعر کے اگر تمام کینٹوز دستیاب ہوتے تو مجبور کشمیر کی موجودہ صورتحال پر شاعر کے خیالات سے آگاہی ہوتی۔ تاہم مذکورہ صدر دو کینٹوز میں حسنِ کشمیر کی تصویر

کشی کیا خوب ہے'

فضاؤں کے سیم کار ہونٹوں پہ دُرفشاں کا منا کی لہریں
ہرے بھرے گنگناتے رمنوں کے درمیاں رنگ رس کی نہریں
بنفشہ و بہر ماں کی نازک مزاج بیلوں کی انجمن میں
مگن مگن سارکائیں جیسے شریر سکھیاں کسی سکھن میں (۴۸)

شاعر نے اس کینٹو کے چودیں، پندرہویں اور سولہویں بند کو نجانے کشمیر کی کس صورتحال کو ظاہر کرنے کیلئے لکھا تاہم یہ آج کے کشمیر کے منظر کے عکاس بھی ہیں۔ایک بند ملاحظہ کیجئے'

وہ ٹہنیاں جن کے چارسو بے کفن جنازے پڑے ہوئے تھے
جنازے جن پر خزاں کے لانبے نکیلے ناخن گڑے ہوئے تھے
وہ پتیاں جن کی ننھی لاشیں کہیں خلاؤں میں کھو چکی تھیں
وہ شبنمیں جو شعاعوں کی سولیوں پہ تھرّا کے سو چکی تھیں (۴۹)

جعفر طاہر نے اپنے اس چوتھے درویش ''کشمیر'' کا کینٹوز کے علاوہ بھی کئی نظموں میں جاندار تذکرہ کیا ہے۔ان کی ایک نظم ''اے وادیٔ کشمیر'' میں جہادِ آزادی کے حوالے سے اُن کا آہنگ ملاحظہ کیجئے'

اے دولتِ جاں راحتِ دل خاکِ جگر گیر　　ہے پیش تجھے معرکۂ دار و رسن آج
اے جلوہ گہِ نورِ جہاں خلدِ جہانگیر　　ہے کتنی مبارک ترے ماتھے کی شکن آج
اے طورِ تجلی مہ و خورشید کی تنویر　　ماتھے کی شکن سینۂ باطل میں ہے شمشیر
اے وادیٔ کشمیر اے وادیٔ کشمیر

پھر وہ ملتِ کشمیر کی بیداری اور ہمت انگیزی پر یوں محوِ طرب ہیں'

اے ارض گہر خیز و گہر بار و گہر ساز　　صد شکر کہ رندانِ گراں خواب ہیں بیدار
اللہ رے یہ ولولہ و ہمتِ پرواز　　صد شکر کہ میداں میں بہم ہو گئے احرار
دشمن کا جگر شق ہے جو سن کر تیری آواز　　اک ہاتھ میں قرآن تو اک ہاتھ میں تلوار
گونجا ہے فضاؤں میں تری نعرۂ تکبیر　　بے صید نہ رہ جائے کوئی تیغ کوئی تیر
اے وادیٔ کشمیر اے وادیٔ کشمیر

جعفر طاہر اپنی ایک دوسری نظم بعنوان ''اے جنت کشمیر'' میں مجاہدین کی بیداری پر یوں رقمطراز ہیں'

ے صد شکر کر چھلکی ہے ترے دل کی گلابی
ہونے کو ہے اب ختم تری خانہ خرابی
چیتے کا جگر، شیر کا دل، آنکھ عقابی
یہ تیرے مجاہد جو بدلنے کو ہیں تقدیر
اے جنت کشمیر (۵۰)

۶۔ احمد فراز:

احمد فراز کشمیر کی گل ولالہ ونسریں کی فردوس زمیں کے پھولوں کی جوانی، اس کے باغوں کی بہار، اس کی روانی، نظاروں کے حسن، کہساروں کی عظمت اور اس کے نغموں کی کی پھوار کے تزکرے کرنے کے بعد اس کی شعلہ بداماں اور جہنم بکنار صورتحال کا نوحہ یوں رقم کرتے ہیں'

ے تیرے سینے پہ محلات کے ناسوروں نے
تیری شریانوں میں اک زہر سا بھر رکھا ہے
تیرا ماحول تو جنت سے حسیں تر ہے مگر
تجھ کو دوزخ سے سوا وقت نے کر رکھا ہے
تجھ کو غیروں نے سدا دست نگر رکھا ہے

احمد فراز کی اس نظم کو سلیم ناز بریلوی نے اپنی خوبصورت آواز میں گا کر امر کر دیا ہے۔ اس میں شاعر کشمیر کی حالتِ امروز کو انقلاب کا پیش خیمہ کہتے ہیں'

ے لیکن اب اے مری شاداب چناروں کی زمیں
انقلابات نئے دور ہیں لانے والے
حشر اٹھانے کو ہیں اب ظلم کے ایوانوں میں
جن کو کہتا تھا جہاں بوجھ اٹھانے والے
پھر تجھے ہیں گل وگلزار بنانے والے (۵۱)

۷۔　حبیب جالب:

حبیب جالب کشمیریوں کو حالیہ جدوجہد کو جاری رکھنے کا پیغام دیتے ہیں اور Now or Never کا فلسفہ سمجھا رہے ہیں'

ے　یہ شعلہ نہ دب جائے یہ آگ نہ سو جائے
پھر سامنے منزل ہے ایسا نہ ہو کھو جائے
ہے وقت یہی یارو ہونا ہے جو ہو جائے
کشمیر کی وادی میں لہرا کے رہو پرچم
ہر جابر و ظالم کا کرتے ہی چلو سر خم (۵۲)

۸۔　نعیم صدیقی:

نعیم صدیقی ''بھڑکی ہوئی ہے آگ'' کے عنوان سے کشمیر کی شعلہ بداماں صورتحال کچھ یوں بیان کرتے ہیں'

ے　ٹیلوں کے آس پاس وہ غاروں کے درمیاں
بھڑکی ہوئی ہے آگ چناروں کے درمیاں
راہِ ظفر گزرتی ہے لاشوں کے درمیاں
جیسے یہ کہکشاں ہو ستاروں کے درمیاں
محصور کاشمیر کے ہیں زاعفران زار
شعلوں کے درمیان شراروں کے درمیاں
تم ڈھونڈتے ہو گنبد و محراب میں جسے
شاید ملے وہ خون کے دھاروں کے درمیاں (۵۳)

۹۔　افتخار عارف:

افتخاز عارف کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں پہلے اکادی ادبیات پاکستان کے چیرمین رہے اور آج کل مقتدرہ قومی زبان کے صدر نشین ہیں۔ کشمیر پر اپنی آزاد نظم ''نوید'' میں کہتے ہیں'

ے　کشمیر! سرخ لہو سے لوح خاک پہ کھینچی ہوئی تحریر

مرے کشمیر! تری تقدیر

خوابوں کے سب رنگ، دعاؤں کے سارے آہنگ

زمانہ جان گیا، پہچان گیا

پھر وہ قوم کشمیر کو اس جدوجہد کے نتیجے میں آزادی کے سورج کی یقینی نوید یوں سناتے ہیں'

ے وادی وادی، دریا دریا گم گشتہ خوابوں کے خزانے سے اک روشن دن نکلے گا

مٹی کی شادابی کا سیرابی کا دن

عزم، یقین، ایمان، کی سرفرازی کا دن

سورج جیسی پیشانی پر لکھا ہوا آزادی کا دن (۵۴)

۱۰۔ امجد اسلام امجد:

امجد اسلام امجد ''اے میرے کشمیر'' کے عنوان سے نظم میں یہی بات اپنے انداز میں کہتے ہیں'

ے اے میرے کشمیر، اے ارض دلگیر

اپنے لہو سے تو نے لکھی جو روشن تحریر

بدلے گی اک روز اسی سے دنیا کی تقدیر

اے میرے کشمیر، اے ارض دلگیر (۵۵)

۱۱۔ منظور احمد ڈیسوی:

جنگ ستمبر 1965ء میں مجاہدین، شہداء وانصار اسلام و پاکستان کے نام اپنی نظم ''سلامِ محبّ ِوطن'' میں کشمیر کے مجاہدوں کو یوں مخاطب کرتے ہیں:

ے وادی کشمیر کے ان جاں نثاروں کو سلام

راہِ حق کے رہروان وجاں دہندوں کو سلام (۵۶)

منظور ڈیسوی نے 1991ء میں ''یو این او سے سوال'' کے عنوان سے ایک نظم کہی جس میں انہوں نے اقوام متحدہ کا بڑی طاقتوں کے ایماء پر مظلوموں اور کمزوروں کے ہر معاملے میں آنکھیں بند کرنے اور فرار کی پالیسی کو حرفِ تنقید بنایا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ کوریا اور کانگو وغیرہ کی مثالیں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ے سرزمین پاک کا اک مسئلہ کشمیر ہے

مسئلہ ہی وہ نہیں اک کوہِ عالم گیر ہے
ان مسائل کے دبانے سے تمہیں اب کیا ملا
کچھ نہیں تم کو ملا اور راز سارا کھل گیا (۵۷)

وہ اپنی شاعری میں مسلمانانِ عالم کو سنبھلنے کا درس دیتے ہیں اور بے کار کاموں کو چھوڑ کر اپنی ابتری کو درست کرنے پر ابھارتے ہیں۔ نظم ''چھوڑ دے تو سارے راگ ورنگ میں'' مسئلہ کشمیر کا بالکل ابتداء میں ذکر کرتے ہیں۔

ے
کشمیر پہ دشمن قابض ہیں اور حال تیرا ہے اب ابتر
کیوں نام نہیں اب لب پر جونا گڑھ اور مناودر
غفلت میں رہا منظور اگر نہیں بچے گا تیرا در
کل عالم اسلام کی جو امیدوں کا ہے محور
چھوڑ تو سارے راگ ورنگ بھڑک رہا ہے شعلۂ جنگ (۵۸)

۱۲۔ ناصر نظامی:

ناصر نظامی کا عالمی اداروں کی بے حسی پر احتجاج کا تذکرہ فلسطین پر ان کے اشعار کی صورت میں قبل ازیں ہو چکا ہے۔ اس کے نزدیک یہ ادارے کشمیر کے مسلمانوں کے دکھ درد کو تو بالکل محسوس ہی نہیں کرتے۔ وہ ہندوستان کے اندر آسام اور دیگر علاقوں کے مسلمانوں کے مصائب اور ان پر عالم اسلام سمیت دیگر اقوام کی خامشی اور بے حسی پر بھی احتجاج کرتا ہے۔ آسام میں قتل عام کے دوران ۱۹۸۱ء کی دہلی (انڈیا) میں غیر جانب دار ملکوں کی کانفرنس کے ایجنڈے پر وہ اپنے احساس کا یوں اظہار کرتا ہے:

ے
دھڑکا نہ کوئی دل نہ کوئی آنکھ ہی بھیگی
دہراتا رہا کوفے کے افسانے کو آسام
ہوتی رہی ہمسائے میں بے جانبی مجلس
بیٹھے رہے سب اہل حرم باندھ کے احرام (۵۹)

معروف کشمیری حریت پسند مقبول بٹ شہید کے نام اپنی نظم ''مقبول'' میں یوں رقمطراز ہے:

ے
کٹتا ہے کٹے شوق سے سر، غم نہیں ہوگا
لیکن یہ کسی در پہ کبھی خم نہیں ہوگا
اس قوم کو آزادی کی نعمت نہ ملے گی
جس قوم میں کٹ مرنے کا دم خم نہیں ہوگا
دیتی ہے تیرے خون کی ہر بوند گواہی!!
کشمیر کسی اور میں اب ضم نہیں ہوگا
زاغ و زغن ہند کا غوغا نہ رہے گا
مقبول کے نغمے کا اثر کم نہیں ہوگا (۶۰)

''کشمیر'' کے عنوان سے نظم میں تو ناصر نظامی کے جذبات حریت اپنے اوج پر ہیں جو قاری میں ایک عزم صمیم پیدا کرتے ہیں اور پُر امید مستقبل کا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

ے
عدو کے قبضے سے کشمیر کو چھڑائیں گے
جہاں کے نقشے میں نقشہ نیا اٹھائیں گے
بہت قریب ہیں دن غاصبوں کی پرسش کے
حساب ظلم کا گن گن کے ہم چکائیں گے
وہ اپنے جبر وتشدد کے آزمائیں گر
ہم اپنے ضبط وتحمل کو آزمائیں گے
اُٹھا کے ہاتھ میں حق ارادیت کے علَم
بڑھیں گے جانب منزل نہ ڈگمگائیں گے
انہی کے نام رہیں گے جہاں میں زندہ
وطن کی لاج کی خاطر جو سر کٹائیں گے (۶۱)

۱۳۔　اسد ملتانی:

اسد ملتانی ۱۹۰۲ء میں ملتان کے ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ایک متحرک صاحب الرائے اور سرکاری افسر رہے۔ ان کے کلام کو نوجوان محقق سید شوکت علی بخاری نے یکجا کیا ہے اور تینتیس صفحات پر

مشتمل مقدمہ میں ان کے حالات کی مفصل تحقیق پیش کی ہے۔ بقول احسان دانش ''وہ سرکاری ملازم تھے مگر ان کے دل میں اکبرالہ آبادی کی طرح قوم اور ملک کا درد تھا۔'' انہوں نے کئی اہم قومی موضوعات پر نظمیں کہیں۔ ایک عجیب لطیفہ ہے کہ اسد ملتانی قرآن کے ساتھ ساتھ سنت کو بھی قانونِ اسلامی کا منبع قرار دیتے تھے پھر بھی ان کی نظمیں ماہنامہ طلوعِ اسلام میں شائع ہوتیں۔ چنانچہ نومبر ۱۹۴۸ء میں انہوں نے ''جناح و اقبال'' کے عنوان سے نظم کہی جو ''طلوعِ اسلام'' میں شائع ہوئی اس میں قائد اعظم کی وفات کے بعد ان کا فردوس میں داخل ہونا اور اقبالؒ کا ان کے استقبال کو آنا، بغلگیری اور مبارکبادی کے بعد حالِ اُمتِ مسلمہ کا ذکر کرتے ہوئے اس کے اتحاد اور فرنگی سازشوں کو سمجھنے اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر قرآن وسنت کے مطابق اسلامی نظام کے نفاذ کا یوں ذکر کرتے ہیں'

رکھ کے یہ قرآن وسنت کو سامنے لائے اس معیار پر افکار اور اعمال کو
جلد پاکستان میں جاری ہو اسلامی نظام تاکہ اطمینان حاصل ہو دلِ اقبالؒ کو (۶۲)

اس نظم کے معاً بعد ''وادی کشمیر'' کے عنوان سے اُن کی ایک خوبصورت نظم ملاحظہ ہو'

تو ہے کرۂ ارض پہ فردوس کی تصویر
کفار تجھے کر نہیں سکتے کبھی تسخیر
جس فوج پہ نازاں ہیں بہت ہند کے نازی
اس فوج سے لے جائیں گے بازی ترے غازی
باطل کی وہ چلنے ہی نہ دینگے کوئی تدبیر
اسلام سے وابستہ رہے گی تری تقدیر
\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-اے وادی کشمیر (۶۳)

۱۴۔ طفیل ہوشیارپوری:

طفیل ہوشیارپوری کا نام اردو ادب اور بالخصوص شاعری کے میدان میں بہت معروف ہے۔ بالخصوص فلمی دنیا میں ان کے گانوں نے ایک زمانے میں دھوم مچادی تھی۔ ''اے چاند اُن سے جاکر میرا سلام کہنا'' اور ''واسطہ ای رب داتوں جاویں دے کبوترا'' جیسے لازوال شہرت کے حامل گیتوں کے خالق طفیل ہوشیارپوری ہی تھے۔ جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء میں جہاں پاکستانی معاشرے کے ہر طبقہ فکر نے دفاعِ پاکستان اور آزادی کشمیر کے حوالے سے اپنا حصہ وافر ادا کیا وہیں شوبزنس کی دنیا نے اپنے محاذ پر زبردست جنگ لڑی۔ اسی زمانے میں کشمیر

کے پس منظر میں کسی فلم میں یہ سدا بہار تکنیکی وفنی باریکیوں سے بھرپور اور سامع کی دل کی دنیا کو تہہ و بالا کر دینے والا گیت منظر عام پر آیا'

ظلم رہے اور جنگ بھی ہو   کیا ممکن ہے؟ تم ہی کہو

بہر طور اسی دور میں طفیل ہوشیار پوری نے کشمیر پر نہایت ہی پر جوش اور ولولہ انگیز نظم کہی۔ اسی نظم کو خاکسار نے پیرہن صوت و آہنگ دے کر ایک عرصہ تک اپنا اور مختلف محافل کا دل گرمائے رکھا۔نظم ملاحظہ ہو'

اے وادئ کشمیر   اے وادئ کشمیر
اب بن کے رہے گی   تیری بگڑی ہوئی تقدیر

اللہ کا فرمان ہے ایمان ہمارا ہم سے تو یہی کہتا ہے قرآن ہمارا
جنت کبھی ہو سکتی نہیں کفر کی جاگیر اے وادئ کشمیر اے وادئ کشمیر
ٹینکوں کا خطر لشکرِ کفار کا ڈر کیوں اسلام کو ہو کفر کی یلغار کا ڈر کیوں
اسلام کے ہاتھوں میں ایمان کی جاگیر اے وادئ کشمیر اے وادئ کشمیر
کچھ فکر نہیں خون کے دریا جو بہیں گے ہم کفر کے طوفان سے ٹکرا کے رہیں گے
توڑیں گے تیرے پاؤں سے ہر ظلم کی زنجیر اے وادئ کشمیر اے وادئ کشمیر
فردوس در آغوش نظاروں کی قسم ہے ہم کو تیری معصوم بہاروں کی قسم ہے
نکلے گی درخشاں تیرے ہر خواب کی تعبیر اے وادئ کشمیر اے وادئ کشمیر
ظالم کا جہاں زیر و زبر ہو کے رہے گا مظلوم کی آہوں کا اثر ہو کے رہے گا
گونجے گا فضاؤں میں تیری نعرۂ تکبیر اے وادئ کشمیر اے وادئ کشمیر (۶۴)

۱۵۔سُرور انبالوی:

سُرور انبالوی نے کشمیر اور اہلِ کشمیر کے مصائب پر بہت لکھا۔ اپنی ایک نظم ''مجاہدینِ کشمیر کے نام'' میں کشمیر کے مردانِ حریت کے جذبوں اور مردانہ وار یلغار کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے نتیجے میں نزدیک دکھائی دینے والی صبحِ آزادی کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

عطا ہوئی ہے تمہارے دم سے ظلمتوں کو روشنی   تمہارے سوز وقلب سے گلوں نے پائی تازگی
جہاں تمہارا خوں گرا وہاں چمن چمن کھلے   ہزار آفتاب اُٹھے ہوئی جہاں میں روشنی

مجاہدین کشمیر کی جدوجہد کے کامیابی سے ہمکنار ہونے کے حوالے سے اپنے عزم و یقین کا یوں اظہار کرتے ہیں،

یقیں ہے لوٹ آئے گی بہار باغ و راغ میں لئے ہوئے وہ نکہتیں، وہ بانکپن وہ تازگی
وطن کے ذرہ ذرہ سے اُٹھیں گے آفتاب پھر روش روش چمن چمن بہار لوٹ آئے گی

''اے وادیٔ کشمیر'' کے عنوان سے ایک نظم میں تو شاعر کا فن حسنِ کشمیر کی تصویر کشی میں اپنے عروج پر ہے، ایک بند ملاحظہ ہو،

شہکار ہے قدرت کا تو جنت کی ہے تصویر پھیلی ہے زمانے میں ترے حسن کی تنویر
گلزارِ ارم کہیے کہ عکسِ رُخِ جاناں ہے تیری فضاؤں میں عجب کیف کی تاثیر
اے وادیٔ کشمیر

پھر اس حسنِ درخشاں کو پابہ زنجیر کرنے والے عدو کی خون آشامی، وادی کا خون رنگ ہونا اور مجاہدین کی تکبیر کے نعروں تلے جاری جوجہد کو دلآویز پیرائے میں نظم کرنے کے بعد اس خوبصورت نظم کا یوں اختتام کرتے ہیں،

جاں رکھ کے ہتھیلی پہ اُٹھے تیرے جیالے کیا ان کو ڈرا سکتے ہیں یہ تیغ یہ بھالے
ہر گام اُگائیں گے یہی خون سے لالے آزادی کی پھیلے گی ہر اک قریہ میں تنویر
اے وادیٔ کشمیر (۶۵)

۱۶۔ اکرم باجوہ:

اکرم باجوہ کا تعلق چونکہ پاک آرمی کی تعلیمی کور سے رہا جس کے فرائض میں جوانوں کے جوش و جذبہ اور عمومی مورال کا بڑھانا بھی ہوتا ہے چنانچہ انہوں نے اپنے اردو کلام میں کئی غزلیات میں بالعموم کشمیر و جہادِ کشمیر پر باکمال شعر کہے۔ تاہم اپنے اردو کلام کی بیاض کے سرقہ پر وہ ادبی رہزنوں سے شکوہ کناں ہیں کہ نہ تو وہ اسے منظرِ عام پر لاتے ہیں اور نہ ہی انہیں لوٹاتے ہیں۔ پاک آرمی کے ''مجلّہ الجہاد'' میں ان کی ایک نظم ۱۹۸۵ء میں ''اے میرے کشمیر'' کے عنوان سے چھپی۔ لاجواب پیرایہ، الفاظ و تراکیب کا خوبصورت چناؤ اور جڑاؤ اور کشمیر کے دلفریب نظاروں کی نہایت موزوں تصویر کشی ملاحظہ کیجئے'

خلد بریں کے عکسِ حسیں، رخشاں تاریخ کے باب
پاکستان کی شہہ رگ ہے تو اور اک ایسا خواب

جس کی اِک اِک لڑی بنے گی تابندہ تعبیر
اپنی لیکھ لکیر
اے میرے کشمیر ---------- اے میرے کشمیر
تیرا ہر نظارہ طُرفہ، ہر منظر ہے خوب
تو ہے میرے پیار کی دنیا ان دیکھا محبوب
ناچ رہی ہے میری آنکھوں میں تیری تصویر
جنت کی توقیر
اے میرے کشمیر ---------- اے میرے کشمیر

اسی طرح دیگر اشعار میں کشمیر کے حسن کی توصیف کے بعد پھر شاعر کشمیر کی آزادی کیلئے اپنے لہو کے نذرانے پیش کرنے کا عزم صمیم کچھ یوں ظاہر کرتا ہے'

اپنے لہو سے مانگ میں تیری جلد بھریں گے افشاں
تیری جانب ہم آئیں گے۔ اپنا ہے یہ ایماں
تیری سرحد پر گونجے گی پھر صوتِ تکبیر
ٹوٹے گی زنجیر
اے میرے کشمیر ---------- اے میرے کشمیر (۶۶)

۱۷۔ مطلوب علی زیدی مطلوب:

مطلوب علی زیدی کے دیوان ''صبوحی'' میں کشمیر پر کئی نظمیں موجود ہیں۔ تاہم کشمیر سمیت عالمِ اسلام کے دیگر مسائل مطلوب کا عمومی موضوع ہیں۔ اسی لیے تو وہ اپنی نکاہیہ نظم یو-این-او میں جہاں اس کو امریکہ کے گن گانے والی ڈائن قرار دے کر عالم اسلام کے ممالک پر سامراجی غارت گریوں پر اس کی بے حسی پر تنقید کرتے ہیں، وہیں وہ کشمیر پر اس کے کردار کو یوں بیان کرتے ہیں'

بیچارہ کشمیر تو اس کو سوتیلا ہی لگتا ہے
اس پر کوئی آفت آئے، اندھی یہ بن جاتی ہے (۶۷)

صبوحی کے لمعۂ ہفتم میں کشمیر پر پانچ نظمیں مختلف بحروں میں موجود ہیں۔ پہلی نظم ''وادیٔ کشمیر'' میں

شاعر کشمیر کو ایک ستم رسیدہ ماں کے روپ میں دکھاتا ہے جس کے گھر کا موسم سونا سونا ہے، جس کا چولہا آج ٹھنڈا ہے اور جس کے سر میں خاک ہے، شاعر کہتا ہے'

؎ اس کے بیٹے گھر سے گئے تھے، خوں میں نہائے آئے ہیں
''یہ تو بتاؤ سُرخ یہ جوڑے، کس نے تمہیں پہنائے ہیں؟''
ہر اک لاش کا بوسہ لیکر روتی، کہتی جاتی ہے!
''کیا کھاؤ گے؟ کیا پینا ہے؟'' اور آنسو برساتی ہے
کس نے جلائیں پلکیں، آنکھیں بدن کو پیٹا، کاٹا ہے؟

پھر شاعر، جاں بلب زخمی بیٹوں کا ماں سے بہن کے بارے میں استفسار اور ماں کا جواب نظم کرتا ہے جو مسلمان بیٹوں کی غیرت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے'

یہ تو بتاؤ پیاری اماں، بہن کہاں پر بیٹھی ہے؟
ہم سے کیوں ملنے نہ آئی؟ آج بھلا کیوں روٹھی ہے؟
''بیٹا تیری بہن کو ظالم لالہ نے تڑپایا ہے''
سر کی چادر کو لوٹا ہے، آنچل کو جھلسایا ہے (۶۸)

اس سے اگلی نظم بھی ''وادئ کشمیر'' کے عنوان سے ہے جس میں شاعر کشمیر سے آنے والے دریائے چناب سے مخاطب ہو کر کشمیر کا حال پوچھتا ہے تو وہ جواباً کہتا ہے میں کس طرح کشمیر کی داستانِ خونچکاں سناؤں کہ اس جنت کے سبزہ و گل کو جلا کر اہل نار نے اسے جہنم بنا دیا ہے۔ شاعر کہتا ہے'

؎ سسکیاں بھرتی ہوئی چلتی ہے، اب بادِ صبا
کہساروں کو تو رنج و غم سے سکتہ ہو گیا
دلبری اور حسن و شوخی کی ادائیں کھو گئیں
موت کی آغوش میں وادی کی پریاں سو گئیں

آگے چل کر شاعر مسلمانوں کی سوئی غیرت کو جگانے کی چناب کی زبانی یوں کوشش کرتا ہے'

؎ کیوں کوئی قاسم پہنچتا ہی نہیں فریاد ہے!
ڈاکوؤں کے ظلم سے، ہر ایک گھر برباد ہے

اے مسلمانو! بتاؤ تو اخوت کیا ہوئی ؟

بھائیوں سے وہ محبت، و [illegible] کیا ہوئی؟ (۶۹)

اس سے اگلی نظم ''کاشمیر'' میں مطلوب علی ز [illegible] اس یاسمین ولالہ زار، گل بداماں کشمیر جنت نظیر کے پُر کیف نظاروں کی موجودہ اجڑی صورتحال پر اسے تسلی دیتے نظر آتے ہیں۔ اور ''جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ'' کے مصداق اس کی جلد آزادی کی نوید سناتے ہیں۔ اسی طرح ''کشمیر'' کے عنوان سے چوتھی نظم میں موجودہ صورتحال کو دردناک شعروں کا جامہ پہنایا ہے۔ اس سلسلے کی آخری نظم ''اختتام ہفتہ کشمیر'' میں تو ہماری کشمیریوں کے ساتھ یکجہتی کے مظاہروں کیلئے ایام اور ہفتوں کو منانے کے انداز پر شاعر کیسی بلا کی تنقید کرتا ہے'

ے　ہفتۂ کشمیر کا تو ہو گیا اب اختتام
لکھ چکے مضمون ونظمیں، پڑھ چکے اپنا کلام
اب ذرا کشمیر کی صبحِ قیامت دیکھیے
بن سکا ہے نعرہ بازی سے بھلا کوئی کام (۷۰)

لمعۂ نہم میں ''کشمیر کی شہزادی'' کے عنوان سے ایک آزاد نظم بھی موجود ہے جس میں کہسار کے دل کی رونق حسیں وادیٔ کشمیر کو دیارِ پربت کی شہزادی کے روپ میں دکھایا گیا ہے اور پھر اس کے لب ورخسار اور غازہ و زلف کا تذکرہ کر کے اس اداس، تنہا، نڈھال و بیکل شہزادی کے بارے میں شاعر کہتا ہے'

ے　جو سر پہ چادر تھی چھن چکی ہے
وہ ننگے پاؤں کھڑی ہوئی ہے
جو جمع پونجی تھی لُٹ چکی ہے
وہ کل جو آنگن میں چاند اترا تھا، کھو گیا ہے
زمیں میں روپوش ہو گیا ہے (۷۱)

۱۸۔　پروفیسر عنایت علی خان:

پروفیسر عنایت علی خان اردو ادب میں طنز و مزاح نگار کے طور پر معروف ہیں۔ ان کی مزاحیہ غزلوں ''ذرا یہ ورلڈ کپ ہو لے تو اس کے بعد دیکھیں گے'' اور ''ہم لائے ان کو راہ پر مذاق ہی مذاق میں'' نے مقبولیت کی انتہائی حدوں کو چھوا ہے۔ تاہم یہ کم لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ ایک انتہائی سنجیدہ شاعر ہیں۔ بقول ان

کے انہوں نے کبھی مزاح نہیں کہا ہے وہ تو سچائی بیان کرتے ہیں۔ اور یہ سچ بھی ہے انہوں نے ہماری معاشرتی زندگی کی ناہمواریوں کو اتنے خوبصورت انداز میں ایسے پیرائے میں ظاہر کیا ہے کہ ان کو پڑھ کر پہلے تو ہنسی آتی ہے اور قاری ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جاتا ہے اور پھر اگر دلِ حساس اس کے پاس ہو اور وہ اس پر مزید غور کرے تو ان تلخ حقائق پر اس کی چیخ نکل جاتی ہے اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑتا ہے۔

پروفیسر عنایت علی خان نے، حمد و نعت، نظم و غزل، قطعہ اور ترانہ وغیرہ میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی شاعری کے موضوعات میں امتِ مسلمہ کے مسائل پر اظہار خیال شامل ہے۔ انہوں نے عالمِ اسلام کے تقریباً سبھی مسائل زدہ علاقوں اور ممالک پر اپنے احساسات کو شاعری کا جامہ پہنایا ہے۔ ان کے کلیات ''عنائتیں کیا کیا'' میں کشمیر پر کئی نظمیں موجود ہیں۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے موقع پر ''مجاہدوں کے قافلے'' کے عنوان سے ایک ترانہ لکھا جس کا ایک بند ملاحظہ ہو

بڑھے چلو! بڑھے چلو! مجاہدانِ صف شکن
تمہارے انتظار میں ہے کاشمیر کا چمن
وہ جھیل ڈل کی دلکشی وہ شالامار کی پھبن
وہ دلفریب مرغزار وہ حسین وادیاں
مجاہدوں کے قافلے ہیں ہر طرف رواں دواں (۷۲)

''کشمیر کے جنت بننے میں'' کے عنوان سے ایک نظم میں جبر کے فلسفے اور جابروں کی دلیل کا جواب تاریخ کے آئینے میں دیتے ہیں۔

ہر جابرِ وقت سمجھتا ہے بُرّاں ہے مری شمشیر بہت
پھر وقت اسے سمجھاتا ہے بودی تھی تری تدبیر بہت
اس آگ میں گرنے والوں کے کہتے ہیں براہیمی تیور
کشمیر کے جنت بننے میں ممکن ہی نہیں تاخیر بہت
تم تیغ و تفنگ پر نازاں ہو مظلوم کی آہ کو کیا جانو!
یہ برق کی صورت گرتی ہے اس آہ میں ہے تاثیر بہت (۷۳)

۱۹۔ حسن المرتضیٰ خاور:

حسن المرتضےٰ خاور اصلاً تو ضلع جھنگ سے تعلق رکھتے تھے تاہم پھر پنجاب کے دور افتادہ ضلع رحیم یار خان میں مستقلاً آباد رہے۔ ایک راست فکر شاعر تھے غالباً ملکی سطح پر شعراء کے حلقوں میں زیادہ متعارف نہ ہو سکے تاہم وہ بڑے توانا اور پختہ لہجے کے شاعر تھے۔ وہ شاعری پر کئی کتب کے مصنف تھے مثلاً متاعِ کارواں، نغمات جہاد، اسلام کی فریاد وغیرہ مگر ہمیں اُن کی صرف ایک کتاب ''نغماتِ حرم'' مل سکی۔ ''کشمیریوں کی فریاد'' کے عنوان سے حسن المرتضیٰ خاور نے ایک نظم کہی۔ جس میں ملت پاکستان کو پکارا گیا ہے۔ یہ نظم جنگِ ستمبر ۱۹۶۵ء میں آزاد کشمیر ریڈیو سے نشر ہوئی'

؎ تمہیں کشمیر کی مظلوم ماؤں نے پکارا ہے
تمہیں جموں کے بچوں کی دعاؤں نے پکارا ہے
تڑپتے ہیں ہمارے غم میں سینے کوہساروں کے
بہرسولاشے بکھرے ہیں صداقت کیش پیاروں کے

اس زبردست نظم کے آخری شعر میں شاعر فتح کی نوید یوں سناتا ہے'

؎ یہ دورِ ظلم و استبداد خاور بیت جائے گا
ستم گارو سنو! مظلوم آخر جیت جائے گا (۴۷)

۲۰۔ اصغر عابد:

گذشتہ سطور میں کئی طویل نظموں کا تذکرہ ہوا۔ اصغر عابد کی مثنوی کشمیر نامہ ایک مہتم بالشان طویل نظم ہے جس میں حریت کی فخر آدم و انسانیت کہانی بیان کی گئی ہے کہتے ہیں'

؎ یہ ستم کی داستانِ پُر الم
جس کو لکھتے تھرتھراتا ہے قلم

اصغر عابد کی یہ طویل نظم تین صد تینتیس اشعار پر مشتمل ہے جس میں کشمیر کے سودے کا تذکرہ کچھ یوں ہے'

؎ اس شب تاریک میں کیا کیا ہوا
ایک زندہ قوم کا سودا ہوا

بے گنا ہوں کو سزا یوں دی گئی
وادیٔ حسن و وفا بیچی گئی
وہ پچھتر لاکھ ہوں یا پون ارب
حرص کے آفاق کے اپنے ہیں ڈھب

اس داستانِ دلخراش کے ہر باب سے شاعر نہایت پرزور انداز میں احتجاج کی زبان استعمال کرتے ہوئے پردے اٹھاتا چلا جاتا ہے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے کردار اور ریڈکلف کی دھوکہ بازی کا یوں پردہ چاک کرتا ہے؛

ے
مونٹ بیٹن کی وہ کارستانیاں
ہندوؤں کی بن گئیں من مانیاں
کر گیا تقسیم وہ کشمیر کو
بن کے کید و مار ڈالا ہیر کو
ریڈکلف کی دھوکہ بازی کا یہ جال
رُوسیاہی میں رہے گا بے مثال

کشمیر کی موجودہ صورتحال کی عکاسی کچھ یوں کی گئی ہے؛

ے
آج ہے کشمیر میں آہ وفغاں
ہر طرف سے اٹھ رہا ہے اک دھواں
انتشار اور ابتری کا راج ہے
زندگی مفلوج ہے بے لاج ہے

اصغر عابد اپنی اس عالی شان مثنوی جو کہ اب تک کی اس سلسلہ کی نظموں میں سب سے طویل ہے کے اختتامی اشعار میں یوں گویا ہوتے ہیں؛

ے
چند یہ اشعار جو لکھے گئے
زائچے کشمیر کے کھینچے گئے
یہ جو لکھی مثنوی کشمیر کی
دردِ دل کی اصل میں تشہیر کی (۵۷)

۲۱۔ سید محمد جعفری:

سید محمد جعفری اپنی نظم یو این او میں اقوام متحدہ کے ادارے کی کشمیر کے سلسلہ میں بے حسی اور دوہرے معیار کا پیرہن چاک کرتے ہیں؛

ے
کتنا اچھا فیصلہ کرتا رہا کشمیر کا
''کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا''
ڈالیے اس کے گزشتہ کارناموں پر نظر
وادیٔ کشمیر کے قبضہ کو ٹالا کس قدر (۷۶)

۲۲۔ دیگر شعراء:

عزیز حاصلپوری ''اے وادی کشمیر'' کے عنوان سے اپنی نظم میں یوں اپنا عزم ظاہر کرتے ہیں؛

ے
دشمن کے شکنجوں سے چھڑائیں گے تجھے ہم
ظالم کے مظالم سے بچائیں گے تجھے ہم
کاشانۂ فردوس بنائیں گے تجھے ہم
تو کس لیے دل گیر ہے؟ تو کس لیے دل گیر
اے وادیٔ کشمیر (۷۷)

انجم رومانی گجنگ انڈیا میں کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ قرار دینے کے راگ کو نشانۂ تنقید بناتے ہیں تو شان الحق حقی مجاہد کشمیر کی جنگ میں جھٹ سے شریک ہو جانے کی خواہش کا اظہار اشعار کی صورت میں کرتے ہیں۔ ظہیر کاشمیری آج کے کھیل کے عنوان سے دنیا کی تاریخ میں مسلمانوں کے غیرت ناک کارناموں کا تذکرہ کرنے کے بعد کہتے ہیں؛

ے
آج وادی کی بہاروں نے پکارا ہے ہمیں
آج چشموں نے چناروں نے پکارا ہے ہمیں
آج گلبار نظاروں نے پکارا ہے ہمیں
ہم ہیں کشمیر کے ہر سرو دسمن زار کے ساتھ
آج کا کھیل رہے برش تلوار کے ساتھ (۷۸)

سید عارف کربلائے کشمیر، عائشہ مسعود کشمیر: آگ میں جلتے جگنو اور آل عمران اے لختِ خلد ارض کاشمیر میں یہی مضامین اپنے اپنے انداز میں دہراتے ہیں۔

پاکستانی معاشرے پر منظوم اردو مزاحمتی ادب کے اثرات

اردو زبان میں فلسطین اور کشمیر پر زیرِ نظر منظوم مزاحمتی لٹریچر کی وجہ سے پاکستانی معاشرے پر بہت دوررس اثرات مرتب ہوئے ہیں، مثلاً سیاسی بیداری، سامراجی قوتوں کے خلاف نفرت میں اضافہ، اخوت اسلامی میں اضافہ، قومی Catharsis اور جہادی رجحانات وغیرہ۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) ضربِ کلیم، درکلیات اقبال، ادارہ اہلِ قلم، لاہور، ص ۱۶۵

(۲) ایضاً ص ۱۸، ۱۶۹

(۳) ایضاً ص ۱۷۱

(۴) فلسطین، اردو ادب، مرتب فتح محمد ملک، مطبوعات، حرمت، راولپنڈی، ص ۱۵۷

(۵) ایضاً، ص ۱۵۸، ۱۵۹

(۶) ایضاً، ص ۱۶۲

(۷) ایضاً، ص ۱۶۲-۱۶۴

(۸) ایضاً، ص ۱۶۷-۱۷۶

(۹) ایضاً، ص ۱۶۷-۱۷۶

(۱۰) ایضاً، ص ۱۹۸

(۱۱) عنایتیں کیا کیا، منشورات، لاہور، ص ۷۵، ۷۶

(۱۲) انقلاب انقلاب، ص-۶۰-۶۶

(۱۳) ایضاً، ص-۷۸۔

(۱۴) کلیاتِ ماہر، ص ۸۸۵-۸۸۶

(۱۵) جنگ جاری رہے، ص ۱۸۳

(۱۶) غیر مطبوعہ کلام، در خط بنام راقم

(۱۷) غیر مطبوعہ کلام، در خط بنام راقم

(۱۸) صبوحی، ص-۵۲۹-۵۳۲۔

(۱۹) تحریک آزادئ کشمیر: اردو ادب کے آئینے میں، مرتب، فتح محمد ملک، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۲۱۴-۲۱۶

(۲۰) شوقِ شہادت زندہ ہے، ص ۷۱،۷۲

(۲۱) فلسطین، اردو ادب، ص ۱۷۷-۱۷۸

(۲۲) صلیب گر، ۴۶۔

(۲۳) ایضاً

(۲۴) فلسطین، اردو ادب، ص ۱۸۲-۱۸۴

(۲۵) ارمغان حجاز، درکلیات اقبال، ادارہ اہل قلم، لاہور، ص ۴۵-۶۰

(۲۶) سروادیٔ کشمیر، ص ۲۳-۲۴

(۲۷) ایضاً ،ص ۴۶

(۲۸) ایضاً،ص ۵۰-۵۱

(۲۹) ایضاً ،ص ۵۶

(۳۰) ایضاً ص ۱۵۵-۱۶۱

(۳۱) جنگ جاری رہے، ص ۱۴-۱۷

(۳۲) ایضاً ،ص ۲۰

(۳۳) ایضاً ،ص ۲۵-۲۷

(۳۴) ایضاً ،ص ۸۱

(۳۵) ایضاً ،ص ۱۰۴-۱۰۷

(۳۶) ایضاً،ص ۱۱۷

(۳۷) ایضاً،ص ۱۳۹

(۳۸) ایضاً ،ص ۲۰۰

(۳۹) ایضاً ،ص ۱۲-۱۴

(۴۰) ایضاً ،ص ۱۵-۲۶

(۴۱) ایضاً ،ص ۲۷

(۴۲) ایضاً ،ص ۳۱-۳۴

(۴۳) الجہاد والجہاد، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۸۴،۸۵

(۴۴) ایضاً،ص ۹۱،۹۲

(۴۵) تحریک آزادیٔ کشمیر، اردو ادب کے آئینے میں، ص ۲۷۱-۲۷۲

(۴۶) ایضاً،ص ۲۷۳

(۴۷) ندیم کی نظمیں، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱/ ۴۵۹-۴۶۲

(۴۸) پری محل، شاعر نہیں ساحر تھا وہ، مرتب منظور سیال، یوسف اسحاق پرنٹرز ملتان، ۲۰۰۵ء، ص: ۲۹۷

(۴۹) ایضاً، ص: ۳۰۱)

(۵۰) تحریک آزادیٔ کشمیر: اردو ادب کی آئینے میں، ص ۲۸۴-۲۸۶

(۵۱) ایضاً،ص ۲۷۷-۲۷۸
(۵۲) ایضاً،۲۷۹،۲۸۰
(۵۳) ایضاً،ص۲۸۲-۲۸۳
(۵۴) ایضاً،۲۹۲
(۵۵) ایضاً،ص ۲۹۵-۲۹۶
(۵۶) تقلاب انقلاب،ص-۵۶
(۵۷) ایضاً،ص-۷۳
(۵۸) ایضاً،ص-۷۷
(۵۹) صلیب گر،ص-۴۶
(۶۰) ایضاً،ص-۴۹
(۶۱) ایضاً،ص-۵۱
(۶۲) کلیات اسد ملتانی، سرائیکی ریسرچ سنٹر BZU ۲۰۰۴ء، ص:۱۲۹
(۶۳) ایضاً
(۶۴) ماہنامہ ہمقدم، لاہور، ماہ ستمبر، ۱۹۸۶ء
(۶۵) غیر مطبوعہ کلام، در خط بنام راقم
(۶۶) در خط بنام راقم
(۶۷) صبوحی،ص-۴۴۸
(۶۸) ایضاً ص-۳۰۱-۳۰۵
(۶۹) ایضاً،ص:۳۰۶-۳۰۸
(۷۰) ایضاً،ص:۳۱۰-۳۱۲
(۷۱) ایضاً،ص:۳۷۹-۳۸۰
(۷۲) عنائتیں کیا کیا، منشورات لاہور، ص:۶۱،۶۲
(۷۳) ایضاً،ص:۶۸،۶۹
(۷۴) نغمات حرم،ص:۱۳۹،۱۴۰
(۷۵) تحریک آزادی کشمیر، اردو ادب کے آئینے میں،،ص ۱۱۶-۱۵۷
(۷۶) ایضاً،ص۲۱۴-۲۱۶
(۷۷) ایضاً،۲۸۱
(۷۸) ایضاً،ص۲۹۰-۲۹۱